

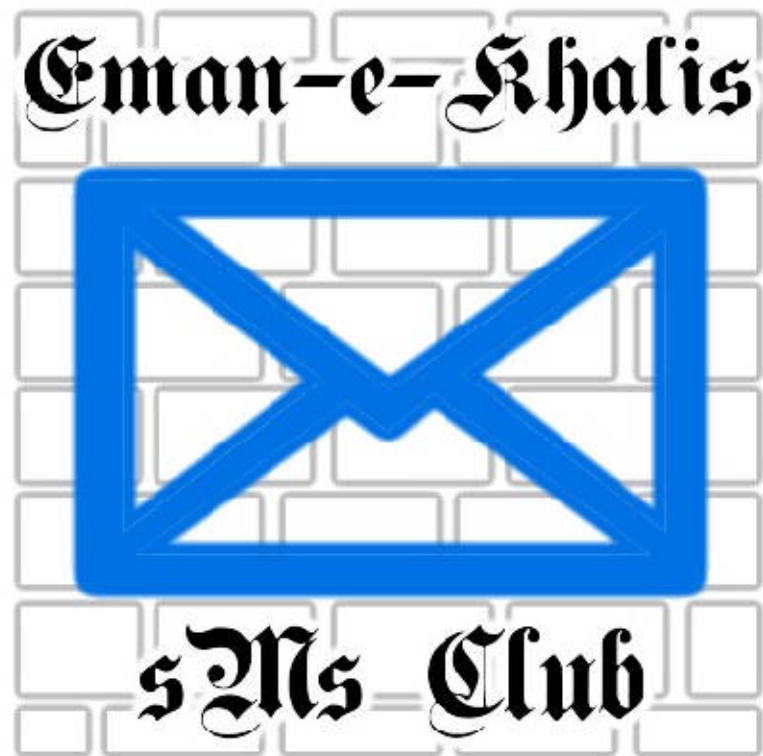
Uploaded By: Muhammad Ayaz

E . K . s M s C l u b

<http://Www.EKsMsClub.Net16.Net>

OR

<http://Www.EmaneKhalissMsClub.Comeze.Com>



**E-Mail:** [Ayaz.Net\\_WordLifeLive@Yahoo.Com](mailto:Ayaz.Net_WordLifeLive@Yahoo.Com)

**Follow Me:** <http://Www.Scribd.Com/MuslimAyaz>

**Address:** Masjid Tauheed, H Area, Punjab Road, Manzoor  
Colony, Near Mehmoodabad No. 6, Karachi, Pakistan



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا ط

تمہیں کیا ہو گیا ہے تمہارے نزدیک اللہ کا کوئی وقار نہیں



وَاتَّقُوا اللَّهَ

حصہ چہارم



Uploaded By: M. Ayaz

Eman-e-Khalis sMs Club



طاغوت کے اولیا

و عھت دین حق اسی وقت موثر ہوتی ہے جب اسے بے لاگ اور عیاں اہل ایمان اٹھایا جائے۔ اس کا حق ادا ہو ہی نہیں سکتا جب تک دشمنان حق کا کھل کر کفر نہ کیا جائے خواہ وہ کسی بھی حیثیت اور مقام کے حامل کیوں نہ ہوں۔ یہ ذمہ داری اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے جبکہ یہ دشمنان دین یعنی طواغیت انسانوں کے ہی خواہ بن کر امام، مولوی، علامہ، شیخ القرآن اور شیخ الحدیث کے روپ میں اللہ کے دین کے ٹھیکیدار بنے ہوئے ہوں۔ کیونکہ دین کے نام پر دین سے دور کرنے کا شیطانی حربہ زیادہ کارگر ہوتا ہے اور عوام الناس ظاہری دینداری کی وجہ سے ان کے دام تزویر میں با آسانی گرفتار ہو جاتے ہیں اور دین کے نام پر ملنے والی گمراہی کو وہ حق سمجھ کر اپنا لیتے ہیں۔ ایسے طواغیت کا جب کھل کر کفر کیا جاتا ہے تو ان کے متبعین کی طرف سے شدید ترین مزاحمت و مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

قبر پرستی یا مردہ پرستی کی عمارت کی بنیاد دراصل حیات و سماع فی القبر کے گمراہ کن عقائد پر ہے۔ لہذا اس شجر خبیثہ کو اکھاڑ پھینکنے کے لیے اس کی جڑ پر تیشہ زنی از بس ضروری ہے۔ یوں تو قبر پرستی نوح علیہ السلام کے زمانے سے چلی آرہی ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر نبی کے ہاتھوں اسکی بیخ کنی کا مختلف ادوار میں پورا اہتمام فرمایا یہاں تک کہ اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں اس مشن کی تکمیل ہوئی۔ لیکن صد افسوس کہ بنی علیہ السلام نے جس فعل شنیع سے سختی سے روکا تھا اس امت نے اسکو شد و مد اور عقیدت سے اپنایا۔ تاریخ شاہد ہے کہ قبر پرستی کی لعنت کو سند جواز

تیسری صدی کے مسئلہ خلق قرآن کے ہیرو امام احمد بن حنبل نے عطا کی۔ انھوں نے قبر پرستی کی بنیاد، حیات فی القبر کے عقیدے کو سب سے پہلے مذہبی رنگ دیکر اسلامی عقائد میں شامل کر دیا چنانچہ فرماتے ہیں :

”والایمان بمنکر نکر و عذاب القبر، والایمان بملک الموت یقبض الارواح ثم تردفی الاجساد فی القبور، فیسالون عن الایمان والتوحید۔“

ترجمہ : منکر نکیر، عذاب قبر، ملک الموت کے ارواح کو قبض کرنے، پھر ارواح کے قبروں کے اندر جسموں میں لوٹائے جانے پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اور اس پر بھی ایمان لانا لازم ہے کہ قبر میں ایمان و توحید کے بارے میں سوال ہوتا ہے۔ (طبقات حنابلہ جز اول ۷۳۴)

پھر اسکے بعد جو کچھ ہوا وہ ہمارے سامنے ہے۔ اس وقت سے لیکر آج تک اسکو بطور اسلامی عقیدہ تسلیم کیا گیا، اور تقریباً ”تمام ہی مسالک نے اسے اپنایا اور عقیدے کے عنوان سے اسکو پھیلایا ہے۔ چنانچہ اسکی تائید اور وکالت بھی عین خدمت اسلام سمجھتے ہوئے بڑے شد و د سے کی گئی، منکر و موضوع روایات، قصے اور حکایات، ملفوظات و مکاشفات کا اس کے اثبات میں لا کر ڈھیر کر دیا گیا۔ اور کتابوں کی کتابیں اس باطل عقیدے کی تائید میں گمراہ کن مواد سے بھر دی گئیں۔ عقائد کی شاید ہی کوئی کتاب ہو جس میں یہ مسئلہ اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ موجود نہ ہو۔ بہر کیف، قبر پرستی کے خلاف جب سے آواز اٹھائی گئی اور اسکو سند جواز دینے والے امام احمد بن حنبل کی گرفت کی گئی تو تمام نام نہاد دینی حلقوں میں ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ ایک طرف تو اس باطل گمراہ کن اور مشرکانہ عقیدہ کا دفاع کیا جا رہا ہے تو دوسری طرف ان کی شخصیت کے دفاع کی سعی لا حاصل میں پورا زور صرف کیا جا رہا ہے۔

الحمد لله قرآن و حدیث کے ٹھوس و واضح دلائل کے ذریعہ اس باطل عقیدے کا ابطال



انہماکی مؤثر اور فیصلہ کن انداز میں کیا جا چکا ہے۔ ساتھ ہی احمد بن حنبل کے عقائد کی وضاحت بھی ٹھوس تاریخی حقائق و شواہد کے حوالوں سے مسلمہ اصولوں کے مطابق کی جا چکی ہے جو نگاہ حق میں کے لیے قطعاً کافی ہے مگر دافین احمد بن حنبل کی ان واضح حقائق، دلائل و براہین پر تشکیک و تلیس کے پردے ڈالنے والی مہم بھی جاری ہے جو سراسر شخصیت پرستی کی ایک طاغوت پرستی ہے۔ احمد بن حنبل کے عقائد و نظریات کا جو مختصر تعارف جبل اللہ شمار نمبر ۱۱ میں پیش کیا گیا تھا، بڑے ہی بھونڈے انداز میں اس کو نشانہ بنانے کی کوشش کی گئی۔ واثق اللہ حصہ دوم و سوم میں اس پر گرفت کر کے حقیقت کو واضح کیا گیا اور ہر قسم کی مغالطہ آرائی کی نشاندہی کر دی گئی۔ اگر ان میں ذرا بھی دین کے لیے خلوص اور یوم حساب کا احساس ہوتا تو یہ توبہ و اصلاح کے بعد خاموشی ہی اختیار کر لیتے لیکن ایک طرف عقل و دانش اور فہم و فراست سے انہیں کوئی واسطہ نہیں تو دوسری طرف جہالت و ہمدردی ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ (جس کے کچھ نمونے آئندہ سطور میں پیش کیے جائیں گے) ممانعت پر ممانعت، تشنیع بد گوئی اور ممانعت پر مشتمل ایک شاہکار بعنوان ”توبوا الی اللہ“ جاری کیا گیا اور تاثر یہ دیا گیا کہ یہ جواب ہے جبل اللہ کے شمارہ جات اور واثق اللہ کی تینوں اقساط کا، چہ خوب!۔ ان کے دعوے کی صداقت کے لیے اس مجلہ کا سرسری مطالعہ ہی کافی ہے جس کے بعد بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس میں علمی دلیل نام کی کوئی چیز نہیں بلکہ یہ محض لفاظی اور پر فریب ہیر پھیر ہی کا مجموعہ ہے لیکن ان کی اس کاوش سے یہ ضرور ہوا کہ خلط بحث کے اس شاہکار نے ان کی ”پریشان خیالی“، ”مضطرب مزاجی“، ”علمی صلاحیت“ اور ”اعلیٰ ظرفی“ کو مزید طشت ازبام کر دیا۔ تنقیص و تنقید کی جس سعی لا حاصل کو وہ لوگوں کی دلچسپی کا سامان قرار دے رہے ہیں۔ (ملاحظہ ہو توبوا الی اللہ ص ۱۶) اس سامان دلچسپی و دل بستگی میں خلط بحث، الفاظ، کے الٹ پھیر اور خود کشیدہ مطالب کا انبار ہے اور انداز ایسا سوقیانہ اور بھونڈا کہ اخلاق و شائستگی کی تمام حدود سے متجاوز۔

## بارہ سو سال اور بد عقیدگی

احمد بن حنبل سے بات شروع کرنے کے بعد یہ کس طرح اپنی اصل کی طرف لوٹ رہے

ہیں اسکا ایک نمونہ ملاحظہ ہو :

”تنظیم عثمانی کے افراد نہ صرف یہ کہ بد عقیدہ ہیں بلکہ انکی بد عقیدگی

میں غلو کا عالم یہ ہے کہ بارہ سو سال کے اس طویل عرصہ میں انکو کوئی ایک بھی

مسلم نظر نہیں آتا“ (توبوا الی اللہ ص ۱۶)

یہ اقتباس خود انکے ایمان اور انداز فکر کا عکاس ہے۔ یہاں نہ صرف یہ کہ اتہام طرازی اور الزام تراشی میں حد سے گزر گئے ہیں بلکہ مبہم انداز میں اپنے ہم مسلک اسلاف کی وکالت کا بھی ثبوت فراہم کیا ہے۔ یہی وہ انداز ہے جو تقریباً ”تمام ہی مشرکین اپنی بد عقیدگی کے دفاع میں داعی حق کے خلاف بطور حربے کے استعمال کرتے ہیں اس طرح انہوں نے خود کو اعلانیہ انہی کی صف میں کھڑا کر لیا ہے جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ساڑھے بارہ سو سال میں کوئی مسلم ہوا یا نہیں تو اس مغالطہ آرائی کا سد باب تو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا ہے کہ ”میری امت کا ایک گروہ قیامت تک حق پر رہے گا۔“ اس کا مطلب صاف ہے کہ کوئی زمانہ مسلمین سے خالی نہیں رہا، خواہ تعداد کتنی ہی کم کیوں نہ رہی ہو۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ آپ جن عود روح کے عقیدے کے حامل اسلاف کی وکالت پر کمر بستہ ہیں وہ ان میں شامل نہیں ہیں۔

توبوا الی اللہ کے مؤلف کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو۔ واثق اللہ حصہ دوم کو اپنے مضمون ”کھلا خط“ کے بعد کی تحریر بتا کر سفید جھوٹ، دروغ گوئی کے فتوے عائد فرما رہے ہیں اور قصداً اور عمداً کے الفاظ کے ساتھ۔ کیا یہ محض طعن و تشنیع کا موقع ڈھونڈ نکالنے کی کوشش نہیں؟ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ واثق اللہ حصہ دوم تو ان کے کتابچے ”احمد بن حنبل“ کے جاری ہونے پر اسکے جواب کے طور پر لکھا گیا تھا اور اس میں انہی باتوں کے جوابات دئے گئے تھے جو اس کتابچے میں نمایاں تھیں۔ رہا انکا ”کھلا خط“ تو یہ کتابچے کی شکل میں واثق اللہ حصہ سوم سے پہلے شائع ہوا تھا اور اسی لحاظ سے اس پر تبصرہ کیا گیا تھا جس میں ان کی غلط فہمی کی علمی طور پر نشاندہی کر دی گئی تھی۔ لیکن انہوں نے جاہلانہ و متکبرانہ انداز اختیار کرتے ہوئے اعراض کی روش اپنائی منفی رد عمل کے طور پر اس کے خلاف پروپگنڈے



کا طومار باندھ دیا۔ اب یہ خود ہی غور کر لیں کہ ان کے فتوے عدا "و قصد" سفید جھوٹ اور دروغ گوئی کا مصداق کون ہے۔

## ”کتاب فیہ اعتقاد...“

اب ذرا ان کی فریب کارانہ روش پر نظر ڈال لیجئے کہ موصوف نے کتاب فیہ اعتقاد... میں بیان کردہ عقائد سے احمد بن حنبل کو بچانے کے لیے کیا چال چلی ہے۔ کتاب کی ابتداء میں مذکور جملے ”والذی کان یذهب الیہ“ کا ترجمہ یہ لیا کہ ابو الفضل تمیمی احمد بن حنبل کے پاس جایا کرتا تھا اور اس غلط ترجمہ کو اپنے اس استدلال کی بنیاد بنا لیا کہ احمد بن حنبل کی وفات کے سو سال بعد پیدا ہونے والا کیسے ان کے پاس جاتا تھا، اور اس طرح اس کو منقطع اور ضعیف قرار دے کر کتاب میں بیان کردہ عقائد سے اپنی دانست میں گلو خلاصی کر لی! اس اجمال کی کچھ تفصیل ملاحظہ ہو۔ ہم نے جب ان کو واضح کیا کہ انھوں نے عربی کی سیدھی سی عبارت کا ترجمہ ہی غلط کیا ہے اور پھر اس ”کتاب فیہ اعتقاد...“ سے ثابت کیا کہ اصل ترجمہ یہ ہے اور اس طرح ان کے استدلال کی بنیاد ہی باطل قرار پائی تو غلطی کو ماننا تو درکنار کھیانے ہو کر طعن و تشنیع پر آئے اور الثانیہ الزام جڑ دیا کہ ذہب یذهب کی بحث ہم نے گفتگو کا رخ موڑنے اور بات کو الجھانے کے لیے کی ہے (توبوا الی اللہ ۱۹، ۲۰) ظاہر ہے کہ یہ سب انھوں نے اپنے دفاعی مقصد کو پورا کرنے اور اپنی جہالت و حماقت پر پردہ ڈالنے کے لیے ہی کیا ہے۔ اب یہ لوگ سیدھی سادھی عبارت کا جو مفہوم بھی چاہیں کشید کر لیں لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ ہم نے ”کان یذهب“ کی بحث نہ تو گفتگو کا رخ موڑنے کے لیے ہی کی تھی اور نہ بات کو الجھانے کے لیے، بلکہ یہ محض ان کی فہمائش کے لیے تھی۔ اس کے لیے ذرا وا تقو اللہ سوئم صفحہ ۵ اور ۶ کا مطالعہ کر لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ عربی کی سادہ سی عبارت کا مفہوم بھی ان کے پلے نہ پڑا اور عقل و دانش اور لغت کے مسلمہ اصول کو پس پشت ڈال کر اس کا ترجمہ کر ڈالا : ”ابو الفضل تمیمی احمد بن حنبل کے پاس جایا کرتا تھا“... اس طرح بات کہنے والے کو انھوں نے کان یذهب کا فاعل بنا دیا اور اس غلط ترجمہ کی بنیاد پر فیصلہ صادر کر دیا ملاحظہ ہو :

”نہ کے آخر میں ایک راوی ابو الفضل عبد الواحد بن عبد العزیز تمیمی

ہے۔ یہ شخص احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے عقائد نقل کر رہا ہے۔ سند یہ نظر ڈالئے اس میں یہ بات مذکور ہے ”والذی کان یذهب الیہ“ اور وہ اس کی طرف جاتا تھا۔ یعنی ابو الفضل احمد بن حنبل کے پاس جایا کرتے تھے حالانکہ یہ ایک جھوٹی بات ہے۔“ (تجلی خان ص ۲)

اس طرح انھوں نے اس کتاب میں مذکور مشرکانہ عقائد سے احمد بن حنبل کو بچانے کے لیے اپنی دانست میں زبردست دلیل پیش کر کے بہت بڑا کارنامہ انجام دیدیا لیکن جب انھیں بتایا گیا کہ آپ کے پلے تو عربی عبارت کا مفہوم ہی نہیں پڑا لہذا آپ کی دلیل بے بنیاد ہے تو غلطی کو ماننے کے بجائے یوم حساب سے بے خوف ہو کر ہٹ دھرمی سے اس پر جم گئے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ذہب، یذهب صرف ”جانے“ ہی کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ وا تقو اللہ سوئم میں اس پر کچھ تفصیل گفتگو کی گئی۔ اب ہمارا جرم صرف یہی تو ہے کہ ان کی جہالت کے ازالے اور غلط فہمی دور کرنے کے لیے ہم نے کتاب ”فیہ اعتقاد احمد بن حنبل“ سے متعدد مثالیں دیکر یہ واضح کیا کہ ذہب، یذهب اکثر مذہب و عقیدے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور یہاں سیاق و سباق کے لحاظ سے اسکے یہی معنی مراد ہیں۔ کیسی ستم ظریفی ہے کہ اعتراف و اصلاح کے بجائے اسکے جواب میں سفید جھوٹ اور دروغ گوئی کے فتوے داغے جا رہے ہیں!

ان کی انانیت و تکبر کا یہ عالم ہے کہ ضمیر نے غلطی کو تسلیم تو کر لیا ہے لیکن صاف الفاظ میں اسکا اظہار کرنے کی ہمت و جرات اپنے اندر نہیں پاتے بلکہ چالاکی و عیاری کے ساتھ اپنی جہالت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں :-

”اگر ذہب یذهب کے معنی بقول ان کے مذہب و عقیدہ ہی کے لئے

جائیں تب بھی اس سے اصل مسئلہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔“ (توبوا الی

اللہ ص ۲۰)

یہ ”بقول ان کے“ والی بات بھی خوب ہے۔ اب ان کو کون سمجھائے کہ اصول اور کلیے ہمارے اور ان کے قول کے محتاج نہیں، ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ ”بقول ہمارے“ نہیں بلکہ حقیقت ہے اور سوئی صد درست! ابھی تو ہم نے ان کی علم و آگئی کا ایک ہی نمونہ پیش کیا



اب ذرا انکی دوسری بات پر توجہ فرمائیں جس کو موصوف اصل اختلاف بتا رہے ہیں اور جس کی بار بار تکرار ہے کہ ”ابوالفضل تمیمی احمد بن حنبل سے سو سال بعد پیدا ہونے والا ان سے کیسے براہ راست عقیدہ نقل کر رہا ہے“ (توبوا الی اللہ ص ۱۹) اور اسی بات کو موصوف نے اپنے مضمون ”کھلا خط“ میں لکھا تھا :

”ابوالفضل تمیمی احمد بن حنبل سے سو سال بعد پیدا ہوئے“ اتنے طویل

عرصے بعد آنے والا یہ شخص ان سے کیسے براہ راست یہ عقیدہ نقل کر رہا ہے

جبکہ درمیان میں کوئی دوسرا راوی بھی موجود نہیں.... چونکہ سند کا سلسلہ منقطع

ہے، روایت ضعیف ہے“ (تجلی خان ص ۳)

ہم نے ان کے جاہلانہ تبصرہ کا جواب دیتے ہوئے انھیں سمجھایا کہ سند دیکھ کر آپ کو مغالطہ ہوا ہے، یہ ابوالفضل تمیمی کی سند نہیں ہے بلکہ ناقل یا کاتب کی سند ہے (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو واثقواللہ حصہ سوئم ص ۶-۷-۸)

موصوف نے اس ناصحانہ گزارش اور علمی دلیل پر کس بھونڈے انداز میں تبصرہ کیا ہے، ذرا اسکو بھی ملاحظہ فرمائیں :

”ہیرا پھیری اسے، کو کہتے ہیں محل تراغ تو سرے سے یہ ہے ہی نہیں کہ یہ

سند مؤلف کی ہے یا کاتب کی۔ اس طرف بات کا رخ موڑنا ان کی چرب زبانی

کے سوا کچھ نہیں۔ نزاع تو اس امر میں ہے کہ ابوالفضل تمیمی احمد بن حنبل کی

وفات کے سو سال بعد پیدا ہوئے۔ اتنے طویل عرصہ بعد آنے والا شخص امام

احمد بن حنبل سے کیسے براہ راست یہ عقیدہ نقل کر رہا ہے جبکہ درمیان میں کوئی

دوسرا راوی بھی موجود نہیں ہے۔“ (توبوا الی اللہ ص ۲۱)

ذرا ان کے دونوں اقتباسات کا تقابل فرمائیں۔ پہلی عبارت میں ناقل یا کاتب کی سند کو ابوالفضل کی سند قرار دے کر اپنے اعتراض کی بنیاد فراہم کرنے کے لیے سند کو منقطع بتایا، اور اب کہتے ہیں کہ محل نزاع تو یہ ہے ہی نہیں کہ سند مؤلف کی ہے یا کاتب کی...“ ملاحظہ فرمایا آپ نے ان صاحب محل نزاع مبصر و ناقد صاحب کی فہم و فراست کا کیا عالم ہے، ان کی اس گل افشانی نے تو ان کے علم و دانش کا بھانڈا ہی پھوڑ دیا!۔ ان کے اس کتانچے نے پوری

طرح ثابت کر دکھایا کہ ان کو کتاب، صاحب کتاب اور سند وغیرہ کا نہ کوئی درک ہے اور نہ شعور اور چلے ہیں سند کے بارے میں فیصلہ فرمانے کہ کیا محل نزاع ہے اور کیا نہیں!۔ اگر ضد و ہٹ دھرمی کے خول سے نکل کر اصول سمجھنے کی کوشش کرتے تو یقیناً ”بات سمجھ میں آجاتی کہ ابوالفضل تمیمی ان کے عقائد کو خود احمد بن حنبل سے نقل نہیں کر رہا بلکہ پہلے سے مرتب شدہ مواد سے اخذ کر کے بیان کر رہا ہے“ اس میں ابوالفضل کی سند اور اسکے انقطاع کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ خود تو بات کیا سمجھ پاتے ہمارے سمجھانے سے بھی بات انکے پلے نہ پڑی، اس پر دعویٰ ہے تحریر و تنقید کے میدان میں جھنڈے نصب کرنے کا!۔ انکی ذہنی استعداد اور فہم فراست کے پیش نظر ایک آسان مثال دے کر ان کو سمجھایا گیا، ملاحظہ ہو، واثقواللہ سوئم :

”ایک آسان مثال سے ہم ان صاحبان کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں

کہ اگر یہ حضرات موجودہ دور ۱۴۱۶ھ ہجری میں صحیح بخاری (تالیف شدہ تیسری

ہجری) سے کوئی حدیث نقل کریں تو کیا وہ روایت منقطع یا ضعیف ہو جائے گی؟

ہرگز نہیں۔ بالکل اس طرح ابوالفضل تمیمی نے ”کتاب فیہ اعتقاد“ کو اپنے

سے پہلے موجود تالیف شدہ مواد سے مرتب کیا ہے۔ احمد بن حنبل کے عقائد و

افتاء، مذہب و رجائات وغیرہ کا مواد ان سے پہلے ابوبکر الخلال (متوفی ۳۳۱ھ) نے

تقریباً ۲۰ اجزاء میں کتاب جامع لعلوم یا المسند من مسائل کے نام سے جمع کر

دیا تھا اس کے مخطوطے قدیم لائبریریوں میں موجود ہیں (الرسالہ مستطرفہ ص

۳۳۔) (واثقواللہ۔ سوئم ص ۸۹)

اس آسان مثال سے یہ بات سمجھانے کی کوشش کی گئی تھی کہ اسناد کا تعلق تو روایات مرتب اور جمع کرنے والوں سے ہی ہوتا ہے۔ بعد کے ناقل سویا ہزار سال بعد اس مواد کو نقل کرتے ہیں۔ لہذا بعد کے ناقلین سند کا حصہ نہیں ہوتے اس لیے سویا ہزار سال پرانے مرتب شدہ مواد کو نقل کرنے سے سند کا انقطاع نہیں ہوتا۔ یہ اصول اتنا آسان و زود فہم ہے کہ ایک اسکول کا طالب علم بھی سمجھ لیگا لیکن ان ”محقق“ صاحب کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی



تو یہ ان کا نصیب!۔ دراصل اگر یہ اس طرح کی اصولی باتیں سمجھتے جائیں اور اعلاہ حق کا اظہار کرتے جائیں تو پٹری سے اترنے کے بعد طاغوت کے دفاع کی جو تحریک اٹھانی ہے اسکی تو عمارت ہی ڈھیر ہو کر رہ جائے گی اور اب یہ ان کے بس سے باہر ہے، چنانچہ بات سمجھنے کے بجائے موصوف پرانی روش پر رہتے ہوئے حق کو باطل اور باطل کو حق ثابت کرنے کی کوشش میں بڑے ہی بھونڈے انداز میں تنقیدی گل افشانی فرما کر اپنی جہالت اور بے علمی کے ثبوت پر ثبوت فراہم کرتے چلے جا رہے ہیں، اس کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو :

”قارئین اس بات پر محو حیرت ہونگے کہ امام بخاری کی صحیح بخاری کو انہوں نے مجہول الحال کتابوں مواد کی برابری میں کیوں کھڑا کیا۔ تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں جب اور جہاں عقیدے کی خرابی واقع ہو جائے وہاں سب کچھ ممکن ہے“ (توبوا الی اللہ ص ۲۳)

ان کے تنقیدی شہ پارے بھی عجیب و غریب ہیں، ادھر ادھر کی مارتے ہیں اور حد سے گزر جاتے ہیں۔ کوئی ان سے پوچھے کہ صحیح بخاری کو کن مجہول الحال کتابوں مواد کے برابر کھڑا کیا اور وا تقواللہ سوئم کی کس عبارت یا کن الفاظ سے ثابت ہو رہا ہے کہ مجہول الحال کتابیں صحیح بخاری کے برابر ہیں۔ بات تو صرف یہ کہ کسی گئی تھی کہ اپنے سے صدیوں قبل کی کتاب سے جب کوئی بات یا عبارت اخذ یا نقل کیجائے تو وہ منقطع نہیں ہوتی اور اس پر ”سند منقطع ہے“ اور روایت ضعیف ہے“ کے نعرے نہیں لگانے چاہئیں۔ ”ایک آسان مثال“ کے معنی ان کی لغت میں یہ ہیں کہ کسی کتاب کو صحیح بخاری کے برابر کر دیا جانا، کیا خوب طرز استدلال ہے! ایسی پر مغز تحریر شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آتی ہے، یہ اس عقل و دانش پر باید گریست!۔

جیسا کہ درج بالا سطور میں بتایا گیا، ہم نے وا تقواللہ سوئم ص ۹۸ میں ان کے اشکال اور غلط فہمی کی پوری طرح وضاحت کر دی تھی، چنانچہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ہماری ان گذارشات پر غور فکر کرتے تحقیق کر کے کچھ معلومات اکٹھی کرتے پھر اس پر کچھ تبصرہ نگاری فرماتے مگر یہ ہٹ دھرمی کے پیکر ہیں، بغیر علم کے تنقید کرتے ہیں اور طعن و تشنیع ان کا وطیرہ ہے اور

اسکے لیے کسی تحقیق اور محنت و مشقت کی ضرورت ہی نہیں، چنانچہ لکھتے ہیں :

اس بات کی حقیقت ایک شگوفے کے سوا کچھ نہیں، انکو یہ بات کس نے بتائی یہ کہاں لکھا ہے اور کس نے لکھا ہے کہ ابوالفضل تمیمی نے کتاب فیہ اعتقاد کو اپنے سے پہلے تالیف شدہ مواد سے مرتب کیا ہے؟ کیا انکی کلدوجی نازل ہوئی ہے؟ اوپر سے کوئی الہام ہوا ہے؟ (توبوا الی اللہ ص ۲۳-۲۴)

قارئین! ہم نے باقاعدہ تحقیق کے بعد انہیں بتایا تھا مگر انہوں نے تو یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ اپنی محبوب شخصیت کے وقار اور اپنی انانیت پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔ چنانچہ اسی جنون کے تحت یہ ہرزہ سرائی فرما رہے ہیں۔ اب کوئی ان سے پوچھے کہ اگر آپ کو یہ بتا دیا جائے کہ فلاں صاحب ~~ص~~ جگہ لکھا ہے تو کیا آپ مان جائیں گے اور رجوع کر لینگے؟ اب تک کا طرز عمل تو اسکی نفی کرتا ہے۔ بہر کیف، اس موقع پر ہم اتنا ضرور کہیں گے کہ ”کتاب فیہ اعتقاد“ کے مندرجات دوسری کتابوں میں موجود ہیں جن میں سے بعض چھپ چکی ہیں اور بعض اب تک مخطوطات کی شکل میں محفوظ ہیں۔ اگر موصوف اس کتاب کے مندرجات کو براہ راست دیکھنا چاہتے ہیں تو ہم نے وا تقواللہ سوئم صفحہ ۹ پر ابوبکر الخلال کی کتاب ”جامع لعلوم“ یا ”المسند من مسائل“ کی نشاندہی کی تھی۔ اس کو زیر تحقیق لے آئیں تو ممکن کے ان کے قلب و ذہن کے قفل کھل جائیں۔

امام احمد بن حنبل اس امت کے پہلے شخص ہیں جنہوں نے عقیدہ عود روح پر ایمان کی دعوت دی۔ اور اسکے بعد ہی یہ اسلامی عقیدہ سمجھا گیا ہے۔ اب مدافعین، احمد ابن حنبل کو معصوم عن الخطا سمجھتے ہیں اور شاید انہوں نے ان کے دفاع کی قسم ہی کھا رکھی ہے لہذا وہ ان کے خلاف کچھ سننا ہی نہیں چاہتے اور ان کے خلاف آنے والی ہر ہر بات کا بڑی شان و تمکنت سے رد فرمانے کی کوشش کرتے ہیں۔ خواہ اس معنی لا حاصل میں ان کو کچھ بھی کرنا پڑے۔ کبھی کبھی دو مختلف باتوں کو یکجا کر دکھاتے ہیں تاکہ کسی طرح ان کا کام نکل جائے۔ چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں :

”خود ہی یہ مزار بیٹے میں اور ایمان خالص قسط دوم میں امام ابو حنیفہ اور



ایک قبر پرست کا واقعہ لکھ چکے ہو۔۔۔۔۔“ (توبہ الی اللہ صفحہ ۲۵)

اسکے بعد واقعہ نقل کر کے لکھتے ہیں :

”یہ واقعہ صاف بتا رہا ہے مردوں کے سننے کا عقیدہ یعنی اعادہ روح احمد

بن حنبل کی پیدائش کے چودہ سال سے بھی زیادہ عرصہ پہلے رواج پا گیا

تھا۔ ” تو یوں الی اللہ صفحہ ۲۶)

مزید فرماتے ہیں کہ

”امام احمد بن حنبل کو اس امت کا پہلا مشرک کہنے والے اندھے مقلدین

جواب دیں کہ اگر قبر پرستی پہلے تھی تو امام احمد بن حنبل نے افتتاح کیسے کر لیا

اور اسکو کیسے اس امت میں جاری کیا“ (توبہ الی اللہ ص ۲۶)

کیا موصوف کو یہ نہیں معلوم کہ قبر پرستی نوح علیہ السلام کے دور سے چلی آرہی ہے اور آج بھی جاری ہے، احمد ابن حنبل نے تو عقیدہ عود روح یعنی حیات فی القبر کو جو دراصل قبر پرستی کی بنیاد ہے، جزو ایمان بنا کر پیش کیا ہے۔ اس طرح انھوں نے قبر پرستی کے لیے دین میں سند جواز مہیا کر دی۔ یہی انکا کارنامہ ہے۔ قرون اولیٰ میں تو اس باطل و گمراہ کن نظریے کی بیخ کنی کر دی گئی تھی اور امت مسلمہ کے ایمان و عقیدہ کو شرک کی آمیزش سے یکسر پاک کر دیا گیا تھا۔ لیکن تیسری صدی کی اس سربر آوردہ و قد آور شخصیت نے اس نظریہ کو جزو ایمان بنا کر گمراہی کے لیے زمین ہموار کی، بعد کے اکابر پرستوں بالخصوص احبار و رہبان نے اس کو اپنایا اور جذبہ عقیدت کے ساتھ دین و ایمان کا جزو سمجھ کر بڑے جوش و خروش سے اسکو پھیلایا اور قرآن و صحیح احادیث کی من مانی تاویلات کے ذریعہ اس باطل عقیدہ کے دفاع کا حق ادا کر دکھایا۔ یہاں تک کہ قرآن و حدیث کا دین بالکل ہی اجنبی ہو کر رہ گیا۔ اب ایمان خالص کی انقلابی دعوت پر اٹھنے والی اس انقلابی تحریک و تنظیم سے منحرف ہو نوالے افراد کا گروہ باطل عقائد کی حامل شخصیت کے دفاع میں اسی جوش و خروش کا اظہار کر رہا ہے اور دعوت حق کے مشن کے حامل تنظیم کی راہ میں روڑے اٹکانے کی سعی لا حاصل میں ابلیس کے ہمنواؤں کا مدد و معاون بنا ہوا ہے :

.....والذين كفروا يقاتلون في سبيل

الطاغوت... (النساء ٤٢)

(اور کافر تو طاغوت ہی کی راہ میں قتال کرتے ہیں)

اور پھر ستم ظریفی تو یہ ہے کہ دلائل، اور علمی اصول و کلیات سے بے بہرہ انسانیت، نفس

پر تیرا دل جیت کر رہا ہے کہ تجھے نہ کر کے غصہ پرستی کا جلیلا نہ راگ اپنے

والے حقائق و عواہد اور علمی و ادبی مسائل سے باخبر بنائے والوں کو ”اندھے مقلدین“ جیسے

۱۔ انقلاب سے نواز رہے ہیں گویا کہ ع غرور کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد....!!

دراصل شخصیت پرستی اور منافقت ہے، ایسا روگ جو یوم حساب کی بے خونی سے پیدا

ہوتا ہے متعدد بار ان کو سمجھایا گیا کہ عقیدہ عود روح حیات فی القبر احمد بن حنبل ہی کے

حوالہ سے ملتا ہے اور اس پر تمام گروہ اور فرقوں کا بلا استثنیٰ اتفاق ہے۔ ان عقیدتمند

”یہ ستار ان احمد بن خلیل“ کے لیے ایک **منج** تھا کہ کہیں سے کچھ نکال لائیں اور اس

موقف کو بے پروا کر دیا۔ لیکن یہ خود کو پیش اس میں ناکامی کے بعد اب ان کے

یاس ادھر ادھر ہاتھ پیر مارنے اور کھیانے ہو کر کھمانوینے کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں رہا۔

چنانچہ ان کے ایسے ہی طرز عمل اور اعلیٰ ظرفی کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں :

”ان کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ پوری امت احمد بن حنبل کے کفر و شرک

پر متفق رہی ہے اور کوئی بھی ایسا نہیں گذرا جس نے اسکا انکار کیا ہو مگر ان کی بے

غیرتی کا عالم یہ ہے کہ اب تک اپنے دعوے کے ثبوت میں بارہ سو سال کی

پوری تاریخ میں سے ایک بھی مسلم عالم پیش نہ کر سکے جس نے احمد بن حنبل

سے منسوب شرکیہ عقیدے کی بنیاد پر انکو کافر و مشرک قرار دیا

ہو۔“ (توبہ الی اللہ ص ۲۶، ۲۷)

اب اگر کوئی شخصیت یرستی کے جنون میں حد سے گزر جائے اور ہوش و حواس سے ہی

ہاتھ دھو بیٹھے تو پھر اسے کون سمجھا سکتا ہے کہ کفر باطاغوت کے لیے کسی کے فتوے پر انحصار

نہیں ہوتا۔ اسکے لیے تو قرآن و حدیث کا وہ علم و رکارہ ہے جو ”انما یخشى اللہ من



عبادہ العلماء کے اوصاف کے حامل خوش نصیبوں اور رب ذوالجلال کے وقار کے سچے قدردانوں ہی کا حصہ ہے۔ اسکے لیے تو وہ جذبہ اخلاص اور ہمت مردانہ ضروری ہے جو خوف آخرت اور خشیت الہی سے پروان چڑھتی ہے، ورنہ یہ کس کے بس کی بات تھی کہ بارہ سو سال پر پھیلے ہوئے اتحادی دین کے تمام علمبرداروں اور انکے ہمنواؤں کو ایک قطار میں کھڑا کر کے کافر و مشرک قرار دیدے، یہ دیکھے بغیر کہ کسی نے ان پر فتویٰ دیا ہے یا نہیں اور اسکی پرواہ کیے بغیر کہ پوری امت ان کی کیسی پرستار ہے۔ ہم نے ان ”غیرت مندوں“ کو یہ چیلنج دیا تھا کہ بارہ سو سال میں کسی ایک کا نام بتا دو جس نے یہ کہا ہو کہ احمد بن حنبل عود روح فی القبور کے عقیدے کے حامل نہیں تھے۔

دفاعی انداز فکر کے ساتھ موصوف رقم طراز ہیں :

”امام بخاری، امام مسلم..... اور عوام و خواص میں بھی اس بات پر سب کا اتفاق رہا ہے کہ احمد بن حنبل ایک بڑے امام استاد المحدثین اور راجح العقیدہ مومن ہیں“ (توبوا الی اللہ ص ۲۷)

بخاری و مسلم و دیگر علمائے کرام و محدثین عظام کے اقوال سر آنکھوں پر، انھوں نے جو کچھ فرمایا اپنے علم و مشاہدے کی بنیاد پر فرمایا اور ہر شخص اسی کا مکلف ہے لیکن یہاں تو ان کا عقیدہ عود روح مسلم الثبوت حیثیت سے سامنے آچکا ہے۔ اقرار و اعتراف کے بعد گواہان صفائی کی گواہی تو کالعدم ہو جاتی ہے یہی اصول و کلیہ ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ اسلاف کے عقائد و نظریات کو قرآن و حدیث کی کسوٹی پر ہی پرکھا جائیگا بزرگوں کے اقوال و تجربات پر نہیں۔

## میمونی کا قول

اب چونکہ مدافعین کا مقصد حیات تو احمد بن حنبل کا دفاع ہی کرنا ہے۔ لہذا اس سلسلے میں کسی معقول بات کو سننا ہی گوارا نہیں کرتے اور اگر کوئی بات ان کے موقف کے خلاف ہو تو اسکا ٹکڑا کر ڈالتے ہیں لیکن ساتھ ہی عوام الناس کو فریب دینے کے لیے یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ اگر کوئی دلیل انکے موقف کے خلاف آئے گی تو وہ اسکو ضرور تسلیم کر

لیں گے۔ اپنی بات میں زور پیدا کرنے کے لیے یہ بھی کہتے رہے ہیں کہ صرف ایک دلیل مزید مل جائے تو ہم تسلیم و رضا کا نمونہ بن کر دکھائیں گے۔ لیکن جب انھیں احمد بن حنبل کے خط بنام مسدد ابن مسرہر کا مزید ثبوت پیش کیا گیا تو اپنی پرانی روش پر کار بند رہتے ہوئے انکار پر کمر بستہ ہو گئے۔ اور اسکے لیے عجیب ہی انداز اختیار کیا جسکی ایک جھلک ہم واقفوا اللہ حصہ سوم صفحہ ۱۵ تا ۱۹ میں پیش کر چکے ہیں اسکو ملاحظہ کر لیا جائے۔ میمونی کی عبارت کے حوالے سے ہم نے ان کی بے علمی کی نشاندہی کی تھی جس کو موصوف نے تسلیم تو کیا ہے لیکن کس قدر نیم دلانہ انداز میں، ملاحظہ فرمائیے :

”اس کی تشریح و توضیح پر اپنی کتاب کے صفحہ ۱۵ سے صفحہ ۱۹ تک ۵ صفحات

سیاہ کر کے ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ مسدد اچھے شیخ

تھے اللہ انہیں معاف فرمائے چلو ہم بھی مان لیتے ہیں کہ انہوں نے اس فقرے

کا صحیح مفہوم پیش کیا لیکن اس سے اصل مسئلے پر کیا فرق پڑتا ہے؟ اصل

مسئلہ تو جوں کا توں رہا۔“ (توبوا الی اللہ ص ۲۷-۲۸)

اسے کہتے ہیں ”چوری اوپر سے سینہ زوری۔“ یا

چہ دلاور است دزدے کہ بکھ چراغ دارد۔

(چور کیسا بہادر ہے؟ ہاتھ میں چراغ لئے پھرتا ہے)

تو جناب : ہم نے وقال نعم الشیخ عفاہ اللہ کا جو مطلب پیش کیا ہے وہی حقیقت ہے یعنی یہاں قال کا فاعل احمد بن حنبل ہیں جو مسدد کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ ”مسدد بہت اچھے شیخ ہیں اللہ انہیں معاف فرمائے۔“ آپ نے فاعل کو مفعول بنا کر مفہوم ہی الٹ دیا تھا۔ چنانچہ اب اس نشاندہی کے بعد غلط مطلب پر رکھی گئی استدلال کی عمارت بھی زمین بوس ہو گئی۔ دیکھئے، ان کی علمیت اور ذہانت کا یہ عالم ہے کہ سادہ سی عبارت میں فاعل اور مفعول بھی نہیں پہچان پاتے اور اس پر دعویٰ ہے علمی میدان میں شمسواری کا!!۔ آپ نے یہ بھی خوب فرمایا کہ ”چلو ہم بھی مان لیتے ہیں“ ذرا ٹھہر کر یہاں اپنا محاسبہ کریں کہ یہ انداز مخلصانہ ہے یا مولویانہ!۔ ہر کیف آپ صاحبان کے ماننے یا نہ ماننے سے امر واقع میں تو بتدلیلی نہ ہوگی اور آپ کے اس احسان عظیم کی ہمیں چنداں ضرورت بھی نہیں، البتہ سچی



بات تسلیم کر لینے سے آپ کی اصلاح کا امکان پیدا ہو سکتا ہے بشرطیکہ اعتراف خوشدلانہ اور جذبہ اخلاص کے ساتھ ہو لیکن افسوس کہ آپ کے ہاں اس کا فقدان ہے جیسا کہ آپ سے روئے سے ثابت ہے۔ اسی سلسلے میں موصوف مزید فرماتے ہیں :

”ابن حجر اور امام ذہبی کا یہ کہنا کہ امام احمد بن حنبل نے مسدود کو خط لکھا

کوئی جرح اور تعدیل نہیں بلکہ یہ عام خبر ہے“ (توبوا الی اللہ ص ۲۸)

انکی اس بات پر تبصرے سے پہلے بہتر ہے کہ زیر بحث عبارت پر پھر سے نظر ڈال لی جائے۔ عبارت یوں ہے :

”قال ابو الحسن الميموني سالت ابا عبد الله الكتاب

الى مسدد فكتب لي اليه و قال نعم الشيخ عافاه

الله“ (سير اعلام النبلا“ تهذيب التهذيب)

ترجمہ : ”ابو الحسن میمونی نے کہا کہ میں نے ابو عبد اللہ (احمد بن حنبل)

سے مسدد کے نام خط کے متعلق کہا تو انہوں نے خط لکھا اور کہا کہ (مسدد)

بہت اچھے شیخ ہیں اللہ انہیں معاف فرمائے“

قارئین! یہ ایک سادہ سی عبارت ہے جس کا نصف احمد بن حنبل کے خط بنام مسدد کے اثبات سے متعلق ہے اور باقی حصہ مسدد ابن مسدد کے لیے تعریف و دعا پر مشتمل ہے۔ موصوف اپنے مضمون بعنوان کھلا خط میں تقریباً ”چار مقامات پر ان الفاظ ”نعم الشيخ عافاه الله“ کو تعدیل قرار دے چکے ہیں (ملاحظہ ہو واتقوا الله سوئم صفحہ ۱۷) اور جرح اور تعدیل کے متعلق اسی مضمون میں یہ بھی فرما چکے ہیں کہ

”آج تک ہمارا طریقہ کار رہا ہے کہ جرح اور تعدیل ہم ہر ایک سے لیتے رہے

ہیں“ (تجلی خان، کھلا خط ص ۱۲)

ہم نے واتقوا الله حصہ سوم میں یہی بات تو لکھی تھی کہ آپ جرح اور تعدیل کے اصول کے مطابق اس تعدیل کو قبول کریں گے تو خط خود بخود ثابت ہو جائے گا کیونکہ عبارت ایک ہی ہے، آدھی میں تعدیل ہے اور آدھی میں خط کا اثبات۔ انہوں نے اپنے کھلے خط میں اس عبارت کو احمد بن حنبل کے متعلق ہی بنا دیا تھا۔ اور لگے تھے ہم سے اس تعدیل کو منوانے کہ

”ایک ہی فقرے میں (یہ احمد بن حنبل کا خط ہے) اس بات کو ماننا اور دوسری بات (نعم الشيخ عافاه الله یعنی ان کی تعدیل) سے انکار کہاں کا انصاف ہے“ (تجلی خان ص ۲۳)

تو جناب! ہم نے تو پہلے بھی اس تعریف یا تعدیل کو مانا تھا، لیکن آپ اگر سیدھی سی عبارت کو نہ سمجھ پائیں تو اس میں ہمارا کیا قصور؟۔ پھر ستم بالائے ستم یہ کہ جب آپ کو واضح کیا گیا کہ یہ تعریف آپ کے امام کی نہیں تو آپ پینتر بدل رہے ہیں، پہلے تو آدھی بات ماننے اور آدھی نہ ماننے کا بے بنیاد و بلا جواز شکوہ فرما رہے تھے اور ہمیں طعنہ دے رہے تھے اب جبکہ اپنی بے علمی کی وجہ سے خود ہی اس طعن کی زد میں آ گئے ہیں تو راہ فرار اختیار کرتے ہوئے اس عبارت کو محض خبر بنا ڈالا ہے حالانکہ پہلے چار مقامات پر خود ہی اسکو تعدیل قرار دے چکے ہیں۔ انکا یہ کتابچہ تو انکی جہالت و کور عقلی اور ہٹ دھرمی کا شاہکار معلوم ہوتا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ وہاں اسکو تعدیل قرار دینے سے کام نکل رہا تھا اور یہاں اسکو محض خبر بنا دینے میں ہی گلو خلاصی ہے۔ کیسی دیدہ دلیری ہے، پینتر بدلے رہیں اور ہیرا پھیری کرتے رہیں، جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ ثابت کرتے رہیں مگر ان کی دینداری پر ذرا حرف نہیں آتا

.....واتقوايو ماتر جعون فيه الى الله ثم توفي كل نفس

ماكسبتوهم لا يظلمون ○ (البقره)

ترجمہ : ڈرو اس دن سے جب پیشی کے لیے اللہ کی بارگاہ میں لے

جائے جاؤ گے تو ہر ایک کو اس کے کئے کا پورا بدلہ مل جائے گا اور کسی پر کوئی

ظلم نہیں ہوگا

اب رخ بدلنے کے بعد کچھ راہ کھل گئی تو موصوف اور بھی آگے بڑھ گئے اور گل افشانی فرمانے لگے :

”اگر یہ لوگ جرح و تعدیل کی کتابوں میں ایسے اقوال پر ایمان لانا ضروری

سمجھتے ہیں تو پھر بریلویت کی جیت ہوگی۔ اس لیے کہ معاملہ صرف خط گیا ہے پر

نہیں رکنا یہاں کشف و کرامات، خوابوں کی دنیا میں چونکا دینے والے حوالہ



جات ہم ان کو انہی کتابوں سے دکھادیں گے۔۔۔۔۔ (توبہ الی اللہ ص ۲۸)

بہ خوب ! پہلے تو عبارت کے نصف کو تعدیل منوانے پر زور تھا اور اسکو نہ ماننا انصافی گردانا جا رہا تھا لیکن اب آنکھ کھل گئی، اسکو تعدیل قرار دینا بے مقصد ہو گیا، تو پوری عبارت خبر بن گئی اور اس کو رد کرنا لازمی قرار دیا گیا اور (جسکو پہلے نہ ماننا انصافی تھا) اب اس کو مان لینا گویا بریلویت کی تائید ثابت کر دیا گیا! بہت خوب، اس طرح موصوف نے اپنے پیر مرشد کا ہی طرز عمل اپنا لیا کہ ضرورت کے مطابق غلط بات کو صحیح ثابت کرنا پھر ”رخ بدل کر“ اسی صحیح کو غلط ثابت کر دینا بالکل جائز ہے!!۔ قارئین خود ہی غور فرمائیں کہ ہم نے میموز، ناز میٹھ قول جو اسماء الرجال کی کتب سے پیش کیا ہے، وہ ایک مستند ٹھوس اور سنجیدہ بات ہے اور ہر لحاظ سے صحیح اور قابل اعتماد، یہ مدافعیین اسکو کسی بھی مسلمہ اصول و قاعدے کی رو سے غلط ثابت نہ کر سکے تو اسکو کشف و کرامات اور خوابوں کی دنیا کے تحت اور ان کے حوالہ جات کے ساتھ لا کھڑا کیا، تلیس اور خلط بحث کی کیا مولویانہ شان ہے!۔ فن رجال کے ماہرین نے خواب وغیرہ کے واقعات کا ذکر تو کیا ہے لیکن اس کو موصوف کی طرح مستند اور ٹھوس عبارات کے مقابلے میں دلیل نہیں بنایا۔ لیکن موصوف نے اپنی بات میں زور پیدا کرنے کے لیے ان من گھڑت واقعات کو وہ حیثیت دے ڈالی جو پہلے نہیں دی گئی۔ اب ذرا کوئی ان سے پوچھے کہ کہاں گئی ان کی وہ حمیت جسکے تحت ہمیں صحیح بخاری کو مجہول الحال کتابوں کے برابر لا کھڑا کرنے کا طعنہ دیا گیا تھا، در آں حالیکہ ہم نے تو محض راوی اور ناقل کا اصولاً فرق سمجھانے کے لیے ہی صحیح بخاری کی مثال دی تھی نہ کہ بخاری کا دوسری کتابوں سے تقابل کیا تھا پھر بھی طعنہ جڑ دیا گیا کہ بخاری کو مجہول الحال کتابوں کے برابر لا کھڑا کیا۔ سچ تو یہ ہے کہ ایک متکبر ہٹ دھرم کے لیے مغالطہ آرائی اور فریب کاری کا ہر حربہ جائز ہے اور اس کتابچہ میں تو ایسی مغالطہ آرائی اور فریب کارانہ لفاظی کی بھرمار ہے جن کے یہاں تو صرف چند ہی نمونے پیش کئے جا رہے ہیں۔

## ”قلت“ کا استعمال

اپنے باطل موقف کی مدافعت کے لیے حقیقت کو جھٹلانا اور سچ میں جھوٹ کی آمیزش

کرنا ان کے لیے جائز ہے اسکا نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

قارئین ہماری جن عبارات کو ہدف تنقید بنایا گیا ہے پہلے انہیں ملاحظہ فرمائیں تاکہ علمی بے بضاعتی سے قطع نظر، انکی دیانت و صداقت اور تقویٰ و خشیت کا اندازہ ہو جائے۔

”ابن حجر ہوں یا ذہبی یہ صرف ناقلین ہیں انہوں نے اپنے سے پہلے لوگوں کی

اور سلف کی کتب سے نقل کا کام کیا ہے جہاں انکی اپنی بات ہوتی ہے وہاں اس

کی وضاحت کر دیتے ہیں“ (واتقوا اللہ سوئم ص ۱۷)

ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی کی کتاب ایمان خالص قسط دوم کی عبارت اس طرح ہے :

”جن جرح و تعدیل کی کتابوں کے حوالے پیش کئے گئے ہیں وہ ان

حضرات کی اپنی کتابیں نہیں ہیں بلکہ انہوں نے سلف کی کتابوں کا جو کیا اب اور

طویل تھیں اختصار پیش کیا ہے اور بس۔ باقی جہاں وہ قلت (میں کتا ہوں)

کہہ عبارت لاتے ہیں وہ سلف کی جرح کی شدت کو کم کرنے یا ختم کرنے اور

اپنے عقیدہ کی حفاظت کے لیے ہی ہوتی ہے“ (ایمان خالص دوسری قسط ص ۳۰)

اب ہماری ان عبارات پر موصوف کی تنقید ملاحظہ ہو :

”ایک طرف کہتے ہیں کہ جہاں ان کی بات ہوتی ہے وہ نا قابل اعتبار ہوتی ہے

اور اپنے عقیدے کی حفاظت کے لئے ہوتی ہے مگر دوسری طرف موصوف اپنے

اس اصول کو پس پشت ڈال کر جبل اللہ شمارہ ۱۳ کا پورا صفحہ ۴۳ ذہبی کے قلت

کہنے پر امام ابو حنیفہ کو جرح سے بچانے کی کوشش میں نذر کر دیتے ہیں۔“

(توبہ الی اللہ ص ۳۰)

قارئین، ملاحظہ فرمائیے ”واتقوا اللہ“ کی عبارت میں تو یہ الفاظ ہیں ہی نہیں کہ ”جہاں

ان کی بات ہوتی ہے وہ نا قابل اعتبار ہوتی ہے اب نہ جانے موصوف نے یہ الفاظ اور مفہوم

کہاں سے برآمد کر لیا ہے۔

چنانچہ ادھر ادھر ہاتھ پیر مارنا ان کے لیے ناگزیر ہے۔ واتقوا اللہ کی عبارت میں صرف

اتنا کہا گیا تھا ”جہاں انکی اپنی بات ہوتی ہے وہاں اسکی وضاحت کر دیتے ہیں“ اس پر اس



تبصرے کا سرے سے اطلاق ہوتا ہی نہیں اب رہی ڈاکٹر عثمانی کی عبارت تو انہوں نے جس سیاق و سباق اور تناظر میں یہ بات کہی ہے کہ ”سلف کی جرح کی شدت کو کم کرنے یا ختم کرنے اور اپنے عقیدہ کی حفاظت کے لیے....“ اس سیاق و سباق میں تو بالکل درست ہے اور سیاق و سباق سے ہٹ کر بھی اکثر اس اصول کا اطلاق ہوتا ہے، لیکن اس سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ قلت کلمہ جو بات بھی صاحب کتاب کہے وہ ہمیشہ اپنے عقیدہ کی حفاظت اور سلف کی جرح کی شدت کو کم کرنے کے لیے ہی ہو۔ موصوف اصول سے بے بہرہ ہیں تو ان کو پہلے کتب اسماء الرجال کا مطالعہ کر لینا چاہئے، لیکن افسوس تو اس بات کا ہے کہ لکھی ہوئی بات کو سمجھے بغیر ہی اس پر تبصرہ فرمانے کی کوشش کر ڈالتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں :-

”جل اللہ شماره ۱۳ کا پورا صفحہ ۴۳ ذہبی کے قلت کہنے پر امام ابو حنیفہ کو

جرح سے بچانے کی کوشش میں نذر کر دیتے ہیں۔“ (توبوا الی اللہ صفحہ ۳۰)

قارئین ! موصوف اگر عبارت کا مطالعہ پورے تسلسل کے ساتھ فرماتے تو ان کو پتہ چلتا کہ کیا بات کہی گئی ہے اور کس حوالے سے کہی گئی ہے۔ موصوف کے گروہ کے پیر مرشد نے انتہائی سوقیانہ انداز میں اپنی کتاب الدین الخالص میں امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں گل افشانی فرمائی تھی کہ ”..... اور خود ڈاکٹر عثمانی کی ٹیم کے ایک ممبر یعنی امام بخاری نے ان پر خود

بھی جرح کی ہے....“ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو جل اللہ ۱۳ ص ۴۲)

تو اس پر اسماء الرجال کی کتب کے حوالے سے ثابت کیا گیا کہ یہ ایک باطل پروپیگنڈا ہے اور اند جرح کا یہ انداز آئمہ فن کے اصولوں کے صریحاً خلاف ہے۔ آئمہ فن رجال کا اصولی موقف بیان کیا گیا کہ

کلام الاقران بعضهم فی بعض لا یعباہ لا یلتفت

کلام الاقران بعضهم فی بعض

(یعنی بعض ہم عصر آئمہ کی جرح و قدح بعض کے متعلق لائق توجہ نہیں

ہوتی) (تفصیل جل اللہ شماره ۱۳ ص ۴۳)

ہم نے مسلمہ کتب کے حوالے سے اصول و ضوابط پیش کیے تھے، کسی کی ذاتی رائے

نہیں لکھی، انصاف پسندی کا تقاضہ تو یہ تھا کہ اسماء الرجال کے اصول و ضوابط پر مبنی مدلل موقف کو تسلیم کر لیا جائے ورنہ بصورت دیگر اسکو اصول و قواعد کے خلاف ثابت کر دکھائیں لیکن یہ نہ بھولیں کہ چاند پر تھوکنے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے! اب یہ اور بات ہے کہ موصوف کو قواعد و ضوابط سے کوئی تعلق ہی نہیں ورنہ ان کی نظر سے جل اللہ کے اسی صفحہ کی یہ عبارت او جھل نہ ہوتی۔

”اس مضمون کی تفصیل اصول جرح و تعدیل کی کتابوں میں بالخصوص تاج

الدین سبکی کی ”قواعد الجرح والتعدیل“ اور ابن عبد البر کی ”جامع بیان العلم“

میں دیکھی جاسکتی ہے۔“ (جل اللہ شماره ۱۳ ص ۴۳)

معمولی علم و دانش والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ یہ اصولی موقف ہے کسی کی انفرادی رائے نہیں، مگر ان مدافعین احمد کی تو بات ہی اور ہے یہ تو فقدان علم کے علی الرغم طعن و تنقید کا پہلو تلاش کرتے ہیں مگر پھر بھی ان کے ہاتھ کچھ نہیں آتا سوائے اپنی رسوائی کے۔ و اتقوا اللہ میں مذکور ہمارا ریمارک ان پر خوب چسپاں ہوتا ہے کہ

..... ”ان کو نہ تو علم ہے نہ عربی زبان و ادب کا ذوق اور نہ فن و اصول سے کوئی واقفیت یا واسطہ!“ (واتقوا اللہ - سوئم ص ۳)

ان کے پیر مرشد نے اپنی کتاب الدین الخالص میں فرمایا تھا کہ

”ذہبی نے تصریح فرمائی ہے کہ ابو حنیفہ شیعہ بھی ہیں“ (الدین الخالص - سبکی قسط)

ہم نے جل اللہ شماره ۱۳ کے صفحہ ۴۳ پر موصوف کی کذب بیانی اور افتراء پر دازی کو طشت از بام کرتے ہوئے واضح کیا کہ یہ ذہبی کی بات نہیں بلکہ ابو الفضل سلیمانی کی بات ہے اور ذہبی نے ”افنس ماصنع“ (اس نے جو کچھ کیا برا کیا) کے الفاظ میں اس کی تردید بھی کر دی اور اس تبصرہ سے براءت کا اظہار بھی کر دیا۔ اب دلچسپ بات یہ ہے کہ توبوا الی اللہ کے مؤلف کو شاید یہ بات بری طرح کھٹکی کہ ان کے رہنما کو دروغ گو اور افتراء پر داز ثابت کر دیا گیا، چنانچہ انہوں نے اس عبارت کو نقل کر کے ہم پر بے اصولی کا طعنہ داغ دیا، ملاحظہ

فرمائیے : ”اب معلوم نہیں کہ تنظیم عثمانی کی پہلی بات درست ہے یا آخری

بات“ (توبوا الی ص ۳۱)



تو اب موصوف کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہماری پہلی بات بھی صحیح ہے اور دوسری بھی یہ اور بات ہے کہ وہ اپنے ٹیڑھے زاویہ نگاہ اور علمی اصولوں سے قطعاً بے بہرہ ہونے کی بناء پر بات کو سمجھ ہی نہیں سکے تو ان کے حق میں پھر یہی بہتر ہو گا کہ آئندہ کے لیے اس جذبہ ”سپہ گری“ کا گلا ہی گھونٹ دیں۔

## احمد بن حنبل اور تعویذات

قارئین ! آپ نے غور فرمایا کہ امامیہ گروہ کے یہ افراد شخصیت پرستی کے جنون میں اس قدر آگے بڑھ چکے ہیں کہ اپنے امام کو شاید معصوم عن الخطاء سمجھنے لگے ہیں اسی لیے ان کے خلاف آنے والی کسی بات کو بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوتے بلکہ روز روشن کی طرح واضح شواہد اور ٹھوس علمی دلائل کو بے سوچے سمجھے بہ یک جنبش قلم رد کرنے کی سیفانہ کوشش کر بیٹھتے ہیں خواہ بعد میں اپنی حماقت پر انہیں پچھتانا ہی کیوں نہ پڑے۔ ہم نے ٹھوس شواہد سے ثابت کیا تھا کہ احمد بن حنبل تعویذات کے قائل و عامل تھے یعنی تعویذ لکھا بھی کرتے تھے (مسائل احمد بن حنبل، فتاویٰ ابن تیمیہ، زاد المعاد وغیرہ)۔ اب یہ ان کی بے بسی کہ اپنے محبوب امام کو تعویذات کے شرک سے نہ بچا سکے البتہ اس الزام کی اہمیت و شدت کو کم کرنے کے لیے کچھ عجیب و غیر سنجیدہ اور طفلانہ انداز اختیار کیا ہے ذرا ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں

”امام احمد بن حنبل کو بھی تنظیم نے دو متضاد ڈیوٹیاں دیدیں ہیں

(توبواالی اللہ ص ۳۱)

اور یہ دو متضاد ڈیوٹیاں انہوں نے اس طرح گنوائیں کہ امام احمد بن حنبل تعویذات کے قائل تھے اور تعویذات لکھتے بھی تھے لیکن ان کی کتاب مسند احمد میں تعویذات کے رد میں احادیث موجود ہیں جن کا ہم نے حوالہ بھی دیا ہے تو یہ ہیں موصوف کے نزدیک دو متضاد ڈیوٹیاں! اب اس طفلانہ تبصرے کے جواب میں تو اتنا بتا دینا ہی کافی ہو گا کہ احمد بن حنبل صرف تعویذات کے رد اور مخالفت میں ہی روایتیں موجود نہیں بلکہ تعویذات کے اثبات اور جواز میں بھی روایات ہیں۔ اب یہ آپ کے محبوب امام کی پسند ہے کہ انہوں نے تعویذات کے رد اور مخالفت میں آنے والی روایات پر تعویذات کے اثبات اور جواز میں آنی والی روایات کو

ترجیح دے کر اپنے عقیدے اور عمل کی بنیاد بنایا اور آپ کے مسائل میں اضافہ فرمادیا۔ ہاں، اب تو یہ بات شاید آپ کی سمجھ میں آجائے کہ دو غلی پالیسی دراصل آپ کے امام صاحب کی رہی اور متضاد ڈیوٹیاں بھی انہوں نے خود ہی سنبھالیں۔ اس امر تعویذات کے رد اور جواز میں دونوں قسم کی روایات کا انبار لگا کر انہوں نے جہاں اپنے مخصوص نظریات و عقائد کا پرچار کیا وہاں اہل کتاب کی روش اختیار کر کے تلیس حق و باطل کا حق بھی ادا کر دکھایا۔

موصوف ”دو غلی پالیسی“ اور ”متضاد ڈیوٹیوں“ کے الزام تراشی کے جوش میں اتنا آگے بڑھے کہ اب قرآن مجید پر بھی ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا، چنانچہ فرماتے ہیں :

”ایک طرف ہاروت و ماروت فرشتے تھے دوسری طرف کفر و شرک یعنی جادو سکھایا کرتے تھے“ (توبواالی اللہ ص ۳۱)

قارئین موصوف عربی لغت اور علم القرآن میں بالکل ہی کورے ہیں چنانچہ آخرت سے بے خوف مولوی کی اندھی تقلید کا بری طرح شکار ہیں اور اس ظالم نے تو ہاروت و ماروت فرشتوں کو بعض کے کہنے پر شیطان بنا ڈالا۔ اس عنوان پر سیر حاصل بحث تو والتواللہ سوئم میں کی گئی (ملاحظہ ہو ص ۲۷) لیکن ان ”حضرات“ کی جہالت اور آخرت سے بے خونی کی نشاندہی کے لیے کچھ عرض کر دینا ضروری ہے۔ پہلے سورہ بقرہ کی متعلقہ آیت کے مفہوم پر غور فرمائیں :

....واتبعوا ماتتلو الشیاطین علی ملک سلیمان و ما کفر سلیمان و لکن الشیاطین کفرو و ایلعمون الناس السحرو ما انزل علی الملکین ببابل ہاروت و ماروت و ما یعلمان من احد حتی یقولوا انما نحن فتنۃ فلا تکفر فیتعلمون منہما ما یفرقون بہ بین المرء و زوجہ و ما ہم بضارین بہ من احد الا باذن اللہ الخ (البقرہ : ۱۰۲)

ترجمہ : اور گے پیروی کرنے اسکی جو شیاطین سلطنت سلیمان کا نام لیکر پڑھا کرتے تھے حالانکہ سلیمان نے تو کبھی کفر نہیں کیا بلکہ کفر کے مرتکب تو شیاطین ہوئے جو لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے۔ اور (اس کے بھی پیچھے لگے)



جو شریابل میں دو فرشتوں ہاروت و ماروت پر نازل کیا گیا تھا۔ وہ دونوں (فرشتے) کسی کو بھی یہ علم نہ سکھاتے تھے جب تک کہ اس سے یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم تو محض آزمائش کے لیے بھیجے گئے ہیں لہذا تو کفر نہ کر (پھر بھی) وہ (یہودی) ان دونوں (فرشتوں) سے وہ علم سیکھتے تھے جس سے شوہر اور اسکی بیوی میں جدائی ڈالیں۔ اور وہ اسکے ذریعے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے سوائے اللہ کے (اذن سے... الخ)

قارئین، موصوف کے مذکورہ تبصرہ پر آیت قرآنی کے مفہوم کی روشنی میں غور فرمائیں تو ان کے عالمانہ اعتراض کی حقیقت منکشف ہو جائے گی۔ قرآن کا نازل کرنے والا تو فرماتا ہے کہ ”ہاروت و ماروت فرشتوں پر جو نازل کیا گیا تھا وہ کسی کو اس وقت تک نہ سکھاتے تھے جب تک کہ یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم تو محض آزمائش ہیں تم کفر نہ کرو۔“ کلام ربانی تو یہ ثابت کر رہا ہے کہ ان دو فرشتوں کا مشن لوگوں کو واضح کرنا تھا کہ جادو کرنا کفر ہے (یہ سلیمان علیہ السلام کا طریقہ ہرگز نہیں!) اس طرح اس آیت سے یہ بات بغیر کسی ابہام کے ثابت ہو گئی کہ ان فرشتوں کا مقصد نزول دین فروش یہودی علماء کے اس فریب کا پردہ چاک کرنا تھا نہ کہ کفر پھیلانا، معاذ اللہ!

ہم نے واقفوا اللہ سوئم میں اس مسئلہ کی خوب وضاحت کر دی ہے پھر بھی موصوف کا ملحدانہ ذہن اس منصوبہ ربانی کو تسلیم نہیں کرتا تو نہ کرے لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ یہ ”حضرات“ دیگر ملحدین و معتزلین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے قرآن کا انکار بھی کرتے ہیں اور اس کے ماننے کا دعویٰ بھی، اور حقیقت تو یہ ہے کہ اس ملحدانہ روش میں وقت کے بڑے بڑے ملحدوں کو پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ دراصل ان کے پاس اپنے اس گمراہ کن باطل نظریے کے پیچھے ہے ہی کیا سوائے اپنے جیسے ملحد اسلاف کے اقوال اور انکی تفسیری موشگافیوں کے راہ حق سے منحرف ہو کر یہ انہی کے دام میں جکڑ لئے گئے ہیں اور ان کا یہی معیار رہ گیا ہے کہ انہی کے اقوال و تاویلات کی روشنی میں محکم و واضح آیات کو اپنے مخصوص نظریاتی معنوں کا لباس پہنا کر احادیث صحیحہ کے انکار کے لیے مواد فراہم کریں۔ الغرض اگر یہ آیت

موصوف کے ذوق اور نظریے کے خلاف ہے تو نہ مانیں، کون انہیں مجبور کرتا ہے لیکن الحاد اور تحریف کو حق ثابت کرنے کی احمقانہ کوشش سے باز رہیں ورنہ سوائے رسوائی کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

## نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بال اور احمد بن حنبل

قارئین، اس بات کا کہ احمد بن حنبل تعویذات کے قائل و عامل تھے ٹھوس اور ناقابل تردید ثبوت پیش کر دیا گیا ہے جو خود انکے بیٹے عبد اللہ نے فراہم کیا ہے اس پر دیئے گئے دلائل کی تاب نہ لاسکے تو موصوف پھر اپنی پرانی روش کے مطابق کمال ہوشیاری و چالاکی سے مغالطہ آرائی اور خلط مبحث کا سہارا لینے لگے کہ کہیں مدافعتی مشن کا سراہا تھا سے نکل جائے، ام سلمہؓ کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں والی بخاری کی روایت اور اسماء بنت ابی بکرؓ کے پاس نبی علیہ السلام کے کرتے والی روایات لا کر طعنہ زنی فرماتے ہیں :

”احمد بن حنبل پر تو آپ نے جرات دکھا دی اب ذرا درج ذیل روایات

پر اپنی جرات دکھائیں ہم بھی دیکھیں کتنے بہادر ہیں“ (توبوا الی اللہ ص ۳۲)

آگے جا کر اسی قسم کے الفاظ ص ۳۴ پر نظر آتے ہیں۔ حیرت کا مقام تو یہ ہے کہ جن دو روایتوں پر ہم سے جرات و بہادری کے ساتھ دو ٹوک الفاظ میں بے دھڑک موقف پیش کرنے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے اس پر خود کسی بھی قسم کی جرات و بہادری، دو ٹوک روش، بے دھڑک طرز عمل کا نمونہ پیش نہ کیا، آخر کیوں؟ کیا ان اوصاف کا ان کے یہاں یکسر فقدان ہے؟ قارئین، ذرا ہم آپکو ان کے گھر کے حالات دکھاتے چلیں جن سے یہ فی الحال آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں۔ ان کے اپنے امام احمد بن حنبل نبی علیہ السلام کے بالوں کو کس طرح رکھتے تھے، ملاحظہ ہو : احمد بن حنبل کے ابن عم حنبل بن اسحاق رحمۃ الامام احمد بن حنبل میں لکھتے ہیں کہ (امام احمد بن حنبل کہتے ہیں)

”جب میں نے امیر المومنین کا حکم نامہ سنا تو میں سزا لینے کے لیے تیار تھا۔

انہوں نے شاہی فرمان کے مطابق میرے بدن سے قمیص اتار لی۔ قمیص میں گرہ

دیکھ کر انہوں نے پوچھا یہ کیا ہے۔ میں نے جواب دیا یہ رسول اکرم صلی اللہ



علیہ وسلم کے بال ہیں۔ ابن الفضل بن ربیع نے مجھے ان کا عطیہ دیا تھا“ (مختار الامام احمد بن حنبل، اردو احمد بن حنبل کا دور ابتداء ص ۸۰، ۸۱)

اب کوئی ان سے پوچھے کہ آپ کے امام ان بالوں کو کیوں اور سر پر اپنے پاس رکھتے تھے اور ان کا کیا کرتے تھے اور ان کی ان سے کیا نظریاتی وابستگی تھی؟ جواب دیں!۔  
موصوف مزید گل افشانی فرماتے ہیں کہ :

”جرات، بہادری، تحقیق اور بے لاگ تنقید ان کے بس میں نہیں، یہ تو موهوم بے بنیاد اعتراضات کی آڑ میں انتہائی چابکدستی سے ایک ناواقف آدمی کے ذہن کو مسموم کرنے میں لگے ہوئے ہیں“ (توبوا الی اللہ ص ۳۴)

موصوف کی ”ناواقف آدمی کے ذہن....“ والی بات بھی خوب رہی گویا کہ موصوف شاید اپنے آپ کو خود ہی واقفین میں شمار کر رہے ہیں اور انکا ذہن ”مسموم“ نہیں ہے!۔ ان کی واقفیت کی چند مثالیں درج بالا سطور میں پیش کر دی گئی ہیں اور کچھ واقعات اللہ حصہ دوئم و سوئم میں دیکھی جاسکتی ہیں جن کے اعادے کی یہاں ضرورت نہیں۔ رہی بات جرات و بہادری کی.... تو یہ الفاظ نوک قلم پر آنے سے پہلے موصوف اور ان کے گروہ کو یہ سوچ لینا چاہئے تھا کہ ان کے امام جیسی قد آور شخصیات کو طواغیت کی صف میں کھڑا کر کے کافر قرار دے کر کفر بالطاغوت کا حق ادا کر دینا نامردوں اور بزدلوں کے بس کی بات نہیں بلکہ یہ تو رب ذوالجلال کے وقار کے حامل اور ہمت وروں کا ہی حصہ ہے!۔ اور آج بھی ہماری معنی وجد کا مقصد ان ظالموں کے چہروں کی نقاب کشائی کرنا ہے اور آپکا مشن ان طاغوتوں کا دفاع:

.....الذین آمنوا یقاتلون فی سبیل اللہ والذین کفروا یقاتلون فی سبیل الطاغوت فقاتلو اولیاء الشیطان.....الخ

ترجمہ : جو مومن ہیں وہ اللہ کے لیے لڑتے ہیں اور جو کافر ہیں وہ طاغوت کے (دفاع کے) لئے لڑتے ہیں پس تم شیطان کے ہمنواؤں سے لڑو (اور خوف نہ کھانا) شیطان کی چال کمزور ہوتی ہے۔

## کتاب، مسائل احمد بن حنبل

ہم نے مسائل احمد کے مستند حوالے سے احمد بن حنبل کے تعویذات کا تبعا میں کیا لیکن ان کو تو ماننا ہی نہیں بلکہ امام کا دفاع مقصود ہے چنانچہ شخصیت پرستی کے نشہ میں چور آنکھ نے اندھی حمایت اور دفاع کی خوردبین سے بزعم باطل ایک کمزوری دریافت کرنے کا کارنامہ سرانجام دیدیا اور اسکو بڑی شان اور طمطراق سے پیش کیا جا رہا ہے، ملاحظہ ہو :

”متن سے قبل حدیث اور قال کے الفاظ آئے ہیں اور دونوں کے بعد دو دو

نقطے ہیں جیسا کہ عکس سے ظاہر ہے۔ قال کا صیغہ تو عبد اللہ کے لیے آیا ہے؟

حدیث (ہم سے بیان کیا) بولنے والا معلوم نہیں کون ہے؟ نہ اس کا نام ہے نہ ات

ہے نہ پتہ عبد اللہ بن احمد سے حدیث ککر جو راقم روایت کر رہا ہے وہ مجہول ہے

لہذا یہ روایت ضعیف ہے“ (تجلی خان ۶۵)

قارئین ! ان کی جہالت کے اس عظیم شاہکار کی قلعی تو واقعات اللہ حصہ سوئم میں کھول دی گئی تھی (ملاحظہ ہو ص ۱۳۱) لیکن یہ اپنی جہالت کو کس طمطراق سے پیش کرتے ہیں اسکی مثال بھی یہ آپ ہی ہیں۔ کیا یہ ذہنوں کو ”مسموم“ کرنے کی کوشش نہیں؟ ہم نے مستند حوالوں سے حدیث بولنے والے کا ”پتہ“ بتلادیا تھا لیکن حیرت ہے کہ تحقیق کا بھانڈا پھوٹ جانے پر بھی یہ غور نہ فرمایا کہ بے غیرتی و بے شرمی کے الفاظ کس پر چسپاں ہو رہے ہیں بلکہ اسی طرح ضد و ہٹ دھرمی کی روش پر اڑے ہوئے ہیں اور بے شرمی کا عالم دیکھئے کس ڈھٹائی سے گل افشائی فرماتے ہیں :

”موهوم و بے بنیاد اعتراضات کی آڑ میں انتہائی چابکدستی سے ایک

ناواقف آدمی کے ذہن کو مسموم کرنے میں لگے ہوئے ہیں اسی لیے تو سیر اعلام

النبلا سے ہمیں حوالے دکھا رہے ہیں کہ حدیث بولنے والا ابو بکر احمد بن جعفر

القطعی ہے“ (توبوا الی اللہ ص ۳۴)

پھر اگلے صفحہ پر رقم طراز ہیں :



”ہاں یہ اٹل حقیقت ہے کہ حدیث بولنے والا مجہول الحال ہے اس کا نہ اتنا ہے نہ پتہ حدیث کس کتاب میں مذکور ہے اور اس کو ثابت کرنے کے لیے معنی نام تمام کہاں سے کی جا رہی ہے ابو بکر احمد بن جعفر القلیعی کا ترجمہ (حالات) سیر اعلام النبلا ہی میں دیکھ جائیں اس میں کہیں پر بھی اس کا ذکر موجود نہیں ہے جس سے یہ بات پائے ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ حدیث بولنے والا مجہول لا یعرف ہے اور کتاب مسائل احمد میں بھی سرے ہی سے اس بات کا کہیں بھی یہ ذکر تک موجود نہیں کہ حدیث بولنے والا ابو بکر احمد بن جعفر القلیعی ہے حالانکہ اصول اور قاعدے کے لحاظ سے اس پر ان کا نام ہونا چاہئے تھا مگر ایسا ہرگز نہیں ہے اور یہی چیز اس کتاب کو مجہول قرار دیتی ہے“ (توبوا الی اللہ ص ۳۵)

قارئین ! میں نہ مانوں گا تو کوئی علاج نہیں، ہم نے چار مختلف حوالہ جات یعنی تعلیقات سیر اعلام النبلا، منہج الاحمد، طبقات حنابلہ اور الرسائلہ مستطرفہ سے یہ بات ثابت کی تھی کہ عبد اللہ بن احمد نے جو مسائل بیان کئے ہیں انکو روایت کرنے والا ابو بکر احمد بن جعفر القلیعی ہے، یہ متفق علیہ بات ہے اور دنیا کا کوئی محقق انشاء اللہ تعالیٰ تاقیامت اس کو غلط ثابت نہیں کر سکتا! اور کریگا بھی کیسے جبکہ حقیقت کو مستند حوالہ جات کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ یہ مدافعین لاکھ سرچیں، ادھر ادھر کی ماریں، بے پرکی اڑائیں حقیقت کو تو تبدیل نہیں کر سکتے، البتہ اپنی جہالت و حماقت ہی کا پردہ فاش کرتے رہیں گے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے جو کچھ کیا ہے اس پر یہ خوش فہمی کا شکار تو ہو سکتے ہیں کہ لوگوں کو فریب دینے میں کامیاب ہو گئے لیکن یہ بدیہی حقیقت ہے کہ اپنی تحریروں سے اپنی جہالت، بے علمی کم ظرفی بلکہ ذہنی پسماندگی کو ہی طشت از بام کرتے رہے ہیں کیونکہ تامل و تدبیر نہ گفتہ باشد عیب و ہنرش نہفتہ باشد۔ اس سلسلہ میں ہم قارئین کے سامنے ایک دلچسپ واقعہ پیش کریں گے جو موصوف کے ”عالمانہ“ اعتراض سے کافی مماثلت رکھتا ہے۔ منکرین حدیث کیونکہ احادیث کو نہیں مانتے اور اکثر و بیشتر لوگوں کو ان سے برگشتہ کرنے کے لیے کتب احادیث سے موضوع روایات لا کر لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک منکر حدیث نے دوران گفتگو

ہمارے سامنے ابن ماجہ کی وہ موضوع روایت پیش کی جس میں بکری کا قرآن کو کھانے کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ ہم نے جب اسماء الرجال کے حوالوں سے راوی کی حیثیت واضح کی، اور بتایا کہ یہ تو موضوع روایت ہے تو انہوں نے پینتر بدلا اور کہنے لگے کہ ”جناب! حدیث تو ہم حدیث کی کتاب سے پیش کر رہے ہیں اور آپ ہمیں دوسری کتابوں کے حوالے دے رہے ہیں! اس منکر حدیث کے اس جواب پر ہم نے بس سر ہی پیٹ لیا۔ قارئین، کچھ یہی صورتحال یہاں درپیش ہے اور ایسا ہی انداز موصوف اور ان کے پیش کردہ اعتراض کا، کس معصومیت سے فرماتے ہیں ”حدیث کسی کتاب میں مذکور ہے اور اسکو ثابت کرنے کے لیے“ (توبوا الی اللہ ص ۳۵)

اس سلسلہ میں موصوف کا دوسرا شذرہ بھی ملاحظہ فرمائیے فرماتے ہیں :  
”خود ابو بکر احمد بن جعفر القلیعی کا ترجمہ (حالات) سیر اعلام النبلا میں دیکھ جائیں اس میں کہیں پر بھی اس کا ذکر موجود نہیں ہے جس سے یہ بات پائے ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ حدیث بولنے والا مجہول لا یعرف ہے۔“ (توبوا الی اللہ ص ۳۵)  
قارئین ! ان کی ہر بات دوسری سے بڑھ کر ہے۔ عجیب طفلانہ انداز ہے کہ قلیعی کے ترجمے سیر اعلام النبلا میں اس کا ذکر نہیں تو گویا وہ بات کا عدم ہو گئی۔ ملاحظہ ہو، محقق موصوف کا اصول اور موقف کیا لا جواب ہے کہ جو بات سیر اعلام النبلا میں درج نہ ہو وہ پایہ ثبوت کو پہنچتی ہی نہیں! پھر موصوف لگے ہاتھوں یہ وضاحت بھی فرمادیں کہ کیا تاریخ و علم رجال کا تمام کا تمام مواد سیر اعلام النبلاء میں آگیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر تو دوسری کتب رجال کی ضرورت ہی نہ رہی!۔ شخصیت پرستی نے ایسا بدحواس کر دیا ہے کہ ان کی باتیں عجائب گھر کا اثاثہ معلوم ہوتی ہیں!۔

## عود روح اور مقام ارواح کا فرق

آئیے موصوف کے اس شاہکار کا مزید جائزہ لیں۔ موصوف کو اپنے امام کے دفاع کی کہیں امید موہوم کی معمولی سی کرن بھی نظر آجائے تو آنکھیں بند کر کے اس سے چمٹ جاتے ہیں اور اسکو تقویت پہنچانے کی سر توڑ کوشش کرتے ہوئے حقائق کو جھٹلانے سے بھی گریز



نہیں کرتے۔ اس کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں۔

”مسائل احمد کی رو سے احمد بن حنبل عقیدہ عود روح کے قائل نہ تھے

اور قیامت سے پہلے مردہ کے جسم میں روح کے لوٹائے جانے کا عقیدہ نہیں

رکھتے تھے“ (توبوا الی اللہ ص ۳۶)

موصوف نے جس عبارت سے یہ استدلال فرمایا ہے وہ درج ذیل کی جاتی ہے :

”عبداللہ بن احمد نے کہا میں نے اپنے والد (احمد بن حنبل) سے ارواح

موتی کے متعلق دریافت کیا کہ کیا وہ اپنی قبر کی چھت کے نیچے ہوتی ہے یا

فضاؤں میں ہوتی ہیں؟ یا جسم کی طرح مرجاتی ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ نبی صلی

اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”

مومن کا نمہ (روح) پرندہ ہوتا ہے جو جنت کے درخت پر رہتا ہے یہاں تک

کہ یوم البعث (یعنی قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ اسے اس کے جسم میں واپس

کر دیگا۔“ (توبوا الی اللہ ص ۳۶)

قارئین، ملاحظہ فرمائیے! عبداللہ بن احمد نے تو ارواح کے متعلق یہ دریافت کیا تھا کہ وہ

کہاں رہتی ہیں، یعنی ارواح کے مستقر یا قیام گاہ کے بارے میں، اور احمد بن حنبل نے اسی کا

جواب دیا۔ اس سے اصل مسئلہ کا کیا تعلق؟ ان ”علامہ“ صاحب کو شاید اب تک یہ نہیں پتہ کہ

مسئلہ ارواح کے مستقر کا نہیں بلکہ احمد بن حنبل کے اس عقیدہ کا ہے کہ ”.....ثم تردفی

الاجساد فی القبور فیسالون عن الایمان والتوحید“ یعنی سوال و جواب کے

وقت روح کو دنیاوی جسم میں لوٹایا جانا، رہا معاملہ ارواح کے مستقر کا تو یہ امر مسلمہ ہے کہ

تمام عود روح اور حیات فی القبر کے قائلین عود روح کے عقیدہ میں باہم متفق و ہم خیال

ہونے کے باوجود ارواح کی قیام گاہ کے موقف پر مختلف آراء ہیں۔ کوئی ارواح کا

مستقر جنت و جہنم بتاتا ہے تو کوئی طین و بحیرین۔ کوئی کہتا ہے کہ مومنوں کی ارواح جابیہ میں

ہیں اور کافروں کی برہوت میں۔ کوئی کہتا ہے ارواح زمین و آسمان کے درمیان میں رہتی ہیں

اور کوئی کہتا ہے کہ آزاد گھومتی پھرتی ہیں۔ بعض کے نزدیک مومنوں کی ارواح آدم علیہ

السلام کے دائیں طرف اور کافروں کی بائیں طرف رہتی ہیں اور کوئی کہتا ہے کہ ارواح

قبروں کے صحنوں میں رہتی ہیں وغیرہ الغرض اس مسئلہ کے متعلق بے شمار اقوال و آراء ہیں

اور انہی میں سے ایک احمد بن حنبل کا مندرجہ بالا قول ہے واضح رہے کہ روحوں کے مستقر

کے بارے میں یہ سب اقوال عقیدہ عود روح کے حاملین ہی کے ہیں بلکہ ان کا موقف تو یہ

ہے کہ ارواح و جواب کے وقت روح کو اس جسم میں لوٹایا جاتا ہے اور بعد میں وہ اپنے مستقر

میں چلی جاتی ہیں اور وہاں سے اس کا جسم سے تعلق قائم ہو جاتا ہے جسکی وجہ سے مردہ قبر میں

عذاب و راحت محسوس کرتا ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ ارواح آتی جاتی رہتی ہیں، بس انکے

یہاں اسی قسم کے گمراہ کن نظریات کی بھرمار ہے۔ تو اس طرح موصوف نے زور استدلال پر

اپنے امام کو بچانے کی کوشش میں سب کو عود روح کے مشرکانہ عقیدے سے بچالیا اور ثابت

کر دیا کہ دنیا میں سرے سے کوئی بھی اس عقیدہ کا ماننے والا کبھی گذرا ہی نہیں۔ بہت خوب!

آپ نے تو صحیح معنوں میں مشرکوں کی وکالت کا حق ادا کر دکھایا۔ اب آپ کی عبرت نگاہی کے

لیے کچھ مزید ثبوت پیش کئے جاتے ہیں، ذرا ہوش گوش کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں۔ مشہور و

معروف دیوبندی عالم ابو زاہد سرفراز صفدر سے آپ ناواقف تو نہ ہونگے اور یہ بھی جانتے

ہونگے کہ وہ حیات و سماع فی القبر کے زبردست مبلغ ہیں اور تسکین الصدور اور سماع الموتی

نامی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کے یہاں آپکو عود روح اور ارواح کی قیام گاہ کے بارے

میں تفصیل مل جائیں گی۔ اس سلسلے میں انکا اقتباس ملاحظہ ہو، وہ فرماتے ہیں :-

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن دو قبروں پر کھجور کی ٹہنی دو حصے کر

کے گاڑ دی تھی وہ حسی قبریں اور گڑھے ہی تھے کیونکہ اس سے طین اور بحیرین

کا وہ برزخی مقام تو مراد نہیں جو مستقر ارواح ہے، کیونکہ ٹہنی کے دو حصے وہاں

نہیں گاڑے گئے تھے“ (تسکین الصدور ص ۸۹ طبع سوم ستمبر ۱۹۸۶ء)

یہ مسئلہ اس کتاب میں دیگر مقامات پر بھی بیان کیا گیا ہے۔ یہی عالم اپنی دوسری تصنیف

میں رقم طراز ہیں :-

”قرآن کریم، صحیح احادیث اور اجماع سے یہ بات ثابت ہے کہ آسمانوں

میں فرشتے اور ارواح حضرات انبیاء علیہم السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام



جسد عسری کے ساتھ بلکہ دیگر تمام مومنوں کی روحیں انہوں پر موجود

ہیں۔“ (احسن الکلام، جز ۲ ص ۱۹ طبع چارم اگست ۱۹۹۲)

اس کے علاوہ موصوف اور انکے ہمہنواؤں کی رہنما کتاب الدین الخالص میں تو اس موقف کو دو ٹوک الفاظ میں بیان کر دیا گیا ہے، ملاحظہ ہو :

”ہمارے نزدیک مرنے کے بعد روح جنت یا جہنم میں چلی جاتی ہے اور

قیامت تک وہیں رہتی ہے“ (الدین الخالص۔ دوسری قسط صفحہ ۲۳۲-۲۳۳)

یہ بھی خیال رہے کہ الدین الخالص پہلی اور دوسری قسط حیات اور سماع فی القبر کے عقیدہ کی تائید و تبلیغ کیلئے لکھی گئی ہیں۔ یہ تو تھا دیوبندی اہل حدیث مکاتیب فکر کے عقائد و نظریات کا خلاصہ اب ذرا بریلوی مسلک کے موقف پر بھی نظر ڈال لی جائے۔ کنز الایمان میں سورۃ المومن میں فراعنہ کے صبح و شام آگ پر پیش کئے جانے والی آیات کی تفسیر میں لکھا ہے:

”اس میں جلانے جاتے ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا

فرعونوں کی روحیں سیاہ پرندوں کے قالب میں ہر روز دو مرتبہ صبح و شام آگ

پر پیش کی جاتی ہیں اور ان سے کہا جاتا ہے کہ یہ آگ تمہارا مقام ہے اور

قیامت تک ان کے ساتھ یہی معمول رہیگا۔“ (سورۃ المومن۔

کنز الایمان۔ ترجمہ احمد رضا خان تفسیر محمد نعیم الدین مراد آبادی۔ طابع و ناشر

ادارہ الفلاح)

ان اقتباسات کا انتخاب صرف اسی وجہ سے کیا گیا ہے تاکہ موصوف کو کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے کہ مستقر ارواح کے بارے میں یہ نظریہ رکھنے والے تقریباً تمام مکاتیب فکر اعادہ روح یا حیات فی القبر کے عقیدہ ہی کے حامل ہیں۔ عندا الطلب مزید حوالہ جات فراہم کئے جاسکتے ہیں، اب موصوف کے لیے لمحہ فکر یہ ہے، کیا وہ یہ فیصلہ کرنے کی ہمت و جرات اپنے اندر پاتے ہیں کہ ان کے استدلال کی روشنی میں ارواح کے مستقر کے بارے میں درج بالا عقیدہ رکھنے والے سب کے سب عود روح کے عقیدہ سے بچ جائیں گے؟

نہیں، اور ہرگز نہیں، تو پھر انکا استدلال تو باطل ثابت ہوا اور اس سے اخذ کردہ نتیجہ! احمد بن

حنبل کا دفاع) کا عدم ہو گا۔ ذرا موصوف ایک لمحہ کے لئے غور تو فرمائیں کہ انہوں نے اس بے تکے طرز استدلال کے ذریعے عود روح اور حیات فی القبر کا عقیدہ رکھنے والوں کا وجود ہی صفحہ ہستی سے مٹا دیا، یہ شخصی وقار کے دفاع میں کہاں سے کہاں پہنچ گئے؟ (از کج تائبہ کجا!!)

## احمد کا عقیدہ رویت باری تعالیٰ

ذرا اور آگے بڑھئے، ہم نے جبل اللہ میں نشاندہی کی کہ قرآن و حدیث کے برعکس احمد بن حنبل اپنا نظریہ بیان فرماتے ہیں کہ ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح روایات سے منقول ہے“ (ملاحظہ ہو جبل اللہ ص ۳۱)۔ موصوف نے اس کا انکار کیا ہے اور صرف یہ کہہ کر جان چھڑالی ہے کہ ”کہاں ثابت ہے؟“ (تجلی خان ص ۲۰)

یہ تو ایسی ہی بات ہے کہ سورج سے آنکھ بند کر کے کوئی کہے کہ کہاں ہے سورج!۔ اس پہلو پر مزید گفتگو کرنے سے قبل مناسب ہو گا کہ ان کی فریب کارانہ روش کی کچھ نشاندہی کر دی جائے۔

قارئین، ملاحظہ کیجئے کہ اپنے محبوب امام کا دفاع کرنے کے لئے کیا انداز اختیار کیا گیا ہے۔ پہلے تو نمایاں طور سے عنوان جمایا ”رب کا دیدار“ تاکہ دیکھنے والا مرعوب ہو جائے کہ اس کے بعد اس الزام کے رد میں دلائل پر دلائل لا کر صفحات سیاہ کر دیئے جائیں گے! لیکن قاری کی امیدوں پر پانی پھرتے ہوئے صرف اتنا لکھ کر گویا فارغ ہو گئے :

”امام احمد بن حنبل پر ایمان نہیں ان گنت الزامات تنظیم عثمانی کے ہیں....“ (توبوا الی اللہ ص ۳۷) ہمارے مضامین (جبل اللہ و اتقوا اللہ) کا مطالعہ کرنے والے گواہ ہیں کہ ہم نے تو مصدقہ اور مسلمہ شواہد کی بنیاد پر موصوف کے امام کے عقیدہ کی چند خرابیوں کی نشاندہی مع ثبوت کی ہے یعنی عقیدہ عود روح جو قبر پرستی کی شکل میں اس امت میں بت پرستی کی بنیاد ہے، دوسرا تعویذ گنڈے کا شرک اور تیسرا درج بالا ”رویت رب“ کا نظریہ ”ان گنت“ کے الفاظ تو ہم نے کہیں بھی استعمال نہیں کئے۔ ممکن ہے ان کے بے لگام قلم نے شدت جذبات میں کچھ



ان ”خداشات“ کا اظہار کر دیا ہو جو ان کے تحت الشعور میں چھپے ہوئے ہوں!۔ اب آئیے ذرا زیر بحث مسئلہ پر غور کر لیں۔ ہم نے جبل اللہ نمبر ۱۱ میں بھرپور دلائل بمعہ حوالہ جات احمد بن حنبل کے عقائد کی تحقیق پیش کی تھی لیکن حق کو تسلیم کرنے میں عقیدت کا غلو بڑی شدت سے مانع ہے اور یہ لوگ اندھی عقیدت کا اس بری طرح شکار ہیں کہ ہر مدلل بات کو بغیر تحقیق اور غور و فکر کے رد کرنے کی کوشش کر ڈالتے ہیں خواہ بعد میں حقیقت حال منکشف ہونے پر انہیں پچھتانا ہی کیوں نہ پڑے!

در اصل ٹھوس دلائل پر مبنی مشہور تاریخی حقائق و شواہد کو جھٹلانا اور ”من گھڑت“ اور ”واہیات“ قرار دے کر جان چھڑانے کی کوشش کرنا غیر سنجیدہ، غیر ذمہ دار اور یوم حساب کی پکڑ سے بے نیاز شخص یا گروہ کیلئے آسان ہے کیونکہ اس کے لئے جان جو کھوں میں ڈال کر تحقیق و تدقیق کے صبر آزما مرحلہ سے گزرنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ موصوف اس قسم کی روش اختیار کر کے اپنے نفس اور ہم ذوق افراد کو فریب دینے میں کامیابی حاصل کر سکیں گے لیکن علمی تحقیق کا ذوق رکھنے والے ان کے پر فریب ہتھکنڈوں سے ذرا بھی متاثر ہونے سے رہے!۔ جبل اللہ اور واقفوا اللہ کا مطالعہ کرنیوالوں نے دیکھ لیا ہے کہ احمد بن حنبل کے عقائد کو پوری تحقیق کے بعد ٹھوس دلائل سے پیش کیا گیا ہے، یہاں ادھر ادھر کی باتوں کی ذرا بھی آمیزش نہیں ہے اور نہ ہی کوئی بات اپنی طرف سے کہی گئی ہے۔ اب اس کی تردید کا حوصلہ ہے تو پوری تحقیق کے بعد دلائل کے ساتھ بات کی جائے۔ افسوس کہ ہمارے مشورہ سے اعراض کرتے ہوئے اپنے مرشد کا انداز اپنا کر لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی ہے، فرماتے ہیں:-

”دعویٰ تو یہ پیش کرتے ہیں کہ احمد بن حنبل بد عقیدہ اور مشرک تھے اور

دلیل یہ ہم سے مانگتے ہیں یعنی الٹا چور کو قوال کو ڈانٹنے؟ دلیل مدعی پر ہوتی ہے۔

۔۔۔ (توبوا الی اللہ ص ۳۸)

قارئین: ذرا غور فرمائیں کہ موصوف نے رنگ آمیزی اور مغالطہ آرائی کا کیسا مولویانہ انداز اختیار کیا ہے، بات کو غیر موثر ثابت کرنے اور یہ بتانے کی کوشش کی ہے گویا

کہ ہم نے کوئی بات بغیر دلیل کھدی ہے جس پر موصوف طعنہ زنی فرما رہے ہیں!۔ آنکھوں میں دھول جھونکنے والی بات ہے۔ جبل اللہ میں ہم نے احمد بن حنبل کا نظریہ رویت رب ثبوت کے ساتھ پیش کیا تھا کہ یہ قطعاً ”غلط“ ہے اور تائید میں دلیل بھی پیش کی جس کی تفصیل جبل اللہ میں دیکھی جاسکتی ہے (جبل اللہ نمبر ۱۱۔ صفحہ ۳۱)

موصوف نے اسکو بہ یک جنبش مسترد کر دیا، صرف یہ کہہ کر کہ ”سلسلہ سند درست نہیں ہو سکتا“۔ چنانچہ واقفوا اللہ میں اس امر کی نشاندہی کی گئی تھی کہ مدلل بات کو رد کرنے کیلئے تر دیدی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے، تو یہ تھی وہ بات جس کو موصوف نے افسانہ بنایا اور درج بالا فقرہ بے محل چسپاں کر ڈالا۔ اب کوئی ان سے پوچھے کہ ہم نے کہاں کہا ہے کہ ”احمد بن حنبل کو کافر ہم کہتے ہیں اور اس کی دلیل آپ فراہم کریں!!“۔ اس چہ بوا لبعجی ست!!

موصوف کے جواہر پارے عجائب خانہ کے نوادرات سے کم نہیں! اصل میں طاغوت کی محبت و عقیدت کے غلو نے غور و فکر کی صلاحیت ہی ختم کر دی ہے، اسی لئے اس قسم کے فقرہوں یا اپنے جیسے معتقدین کے اس قسم کے اقوال مثلاً ”اسکی نسبت احمد بن حنبل کی طرف مشکوک ہے“ کو سہارا بنا کر جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔ (توبوا الی اللہ ص ۴۰)

قارئین، ان کے ہیر پھیر اور احمقانہ انداز کے چند اور نمونے ملاحظہ کیجئے، فرماتے ہیں:

”امام احمد بن حنبل سے مشکوک روایات تو ان کو فوراً نظر آجاتی ہیں مگر امام

بخاری کی روایات پر اندھے بن جاتے ہیں۔ آئے ہم ان کی توجہ امام بخاری کی

طویل روایت کے اس حصہ کی طرف دلاتے ہیں۔“ (توبوا الی اللہ

ص نمبر ۳۸)

پھر موصوف صحیح بخاری کی ایک روایت نقل کرنے کے بعد بڑی شان بے نیازی سے

گل افشانی فرماتے ہیں:

”احمد بن حنبل کی ناجائز گرفت کرنیوالے امام بخاری کے بارے میں کچھ اپنے

خیالات سے مستفیض فرمانا پسند کریں گے؟“ (توبوا الی اللہ ص نمبر ۳۹)

احمقانہ اور بے تکی بات کو کارنامہ سمجھ کر جس طمطراق سے پیش کرتے ہیں یہ بھی انہی کا



حصہ ہے۔ بات ہو رہی تھی احمد بن حنبل کے نظریہ کی کہ ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رب کو دیکھا“ اس کے جواب میں موصوف صحیح بخاری کی روایات درج کرنے لگ گئے۔ ہم نے مسند احمد کی روایات تو پیش نہیں کیں جس کے مقابلے اور جواب کیلئے یہ بخاری کی روایات پیش کرنے لگے۔ مسئلہ عقیدہ و نظریے کا ہے نہ کہ محدثین کی جمع کردہ روایات کا، شاید موصوف اس بات سے آگاہ نہیں کہ مسند احمد میں کیا کچھ جمع کر دیا گیا ہے!! ورنہ اس طرح بخاری کی روایات تقابل کیلئے پیش کرنیکی جرات نہ کرتے!۔

## حدیث اور عام خبر کا فرق

موصوف نے واثقو اللہ کے کچھ اقتباسات پیش کر کے تنقید فرمائی ہے، ملاحظہ ہو:

”شروعات میں جب احمد بن حنبل کا مسئلہ اٹھا تنظیم عثمانی و... بعد تھے کہ خط کے لئے سند نہیں دیکھی جاتی سند کا تعلق فقط احادیث کیلئے ہے کسی اور کے اقوال کیلئے نہیں اور یہی وجہ ہے کہ واثقو اللہ حصہ اول میں سعید احمد صاحب نے خط کی سند پر اعتراض کو مسترد کرتے ہوئے لکھا.....“ تو بوا الی اللہ ص ۴۲

اس کے بعد موصوف نے واثقو اللہ حصہ اول کا اقتباس پیش کیا ہے پہلے اس پر نظر ڈال لیں:

”در اصل ”حنبل دفاع“ تحریک کے اٹھانے والوں نے کم علم لوگوں کو، فریب دینے کیلئے عام خبر کو حدیث کی حیثیت دینے کی کوشش کی ہے تاکہ اس خود ساختہ اصول کو اپنے دفاعی مقصد کے لئے استعمال کریں، لیکن وہ اس امر مسلمہ کو کیسے جھٹلائینگے کہ حدیث کی اصطلاح تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل اور تقریر کے لئے مخصوص ہے جبکہ خبر کوئی بھی تاریخی واقعہ یا کسی کا قول ہو سکتی ہے۔ اس طرح ہر حدیث ایک قسم کی خبر ضرور ہے لیکن ہر خبر

حدیث نہیں یہی محدثین کا کہنا ہے۔ لہذا احمد بن حنبل کا یہ خط صرف ایک خبر ہے۔“ (واثقو اللہ از سعید احمد شاہ کردہ انعام اللہ خان)

۳۳ میں، ذرا اقتباس غور سے پڑھیں اور پھر ان کی تنقید کا جائزہ لیں، موصوف نے کیسی بددیانتی کا ثبوت دیا ہے، بغیر رائی کا پہاڑ بنا نیکی کوشش کی ہے۔ اس عبارت میں یہ الفاظ تو سرے سے ہیں ہی نہیں کہ خط کے لئے سند نہیں دیکھ جاتی۔ یہاں تو صرف یہ کہا گیا ہے کہ عام خبر اور حدیث میں نمایاں فرق ہے۔ اصطلاح حدیث تو نبی علیہ السلام کے قول و فعل اور تقریر ہی کیلئے مخصوص ہے جبکہ خبر کوئی بھی تاریخی واقعہ یا کسی کا بھی قول ہو سکتا ہے۔ لہذا ہر حدیث ایک قسم کی خبر ضرور ہے لیکن ہر خبر حدیث نہیں۔ اسی لئے تو عام خبر اور حدیث میں نمایاں امتیاز اور فرق ہمیشہ پیش نظر رکھا گیا ہے اور اسی وجہ سے علم حدیث اور تاریخ دو الگ مقام و حیثیت رکھتے ہیں۔ تو یہ ہے اقتباس کا مفہوم و مقصد لیکن موصوف کی کرشمہ کاری ملا خطہ ہو کہ بے رائی کا پہاڑ بنا کر کیسی دیانتداری اور کونسی دینداری کا نمونہ پیش کیا

”اس اقتباس سے ثابت ہوا کہ نزدیکی سدا جرح و تعدیل صرف علم

حدیث میں استعمال ہوتا ہے عام خبر میں اس کی قطعاً ضرورت ہے ہی

نہیں“ تو بوا الی اللہ ص ۴۳

اسی کو تو کہتے ہیں چوری اور سینہ زوری واثقو اللہ کے اقتباس میں تو جرح و تعدیل اور سند کا ذکر ہے ہی نہیں لیکن تنقید و تنقیص کا مقصد حاصل کرنے کے لئے سیدھی سی عبارت کو اپنے معنی کا لباس پہنا کر جو چیز عبارت میں ہے ہی نہیں اسکو ثابت کر دکھایا، یہ مغالطہ آرائی اور دھوکہ دہی کی بدترین مثال ہے۔

اسی طرح واثقو اللہ حصہ دوم میں تلقوبا لقبول کی بحث کو اپنے ٹیڑھے زاویہ نگاہ کے ذریعہ کیا سے کیا بنا دیا ہے ملاحظہ ہو:

”ایک طرف تو کہتے ہیں کہ احمد بن حنبل کا خط صرف ایک خبر ہے اور

اس کو حدیث کی حیثیت دینے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے مگر دوسری طرف اسکو

حدیث کی حیثیت دے کر فرماتے ہیں کہ جس طرح بخاری و مسلم کو تلقی تھا

بالقبول کا مقام حاصل ہے اسی طرح احمد بن حنبل کے خط کو تلقوھا

بالقبول کا مقام حاصل ہے، حالانکہ، تلقی تھا بالقبول تو بخاری و مسلم کا



معاملہ ہے جو کہ علم حدیث کی بات ہے اور احمد بن حنبل کے خط کو تو پہلے انھوں نے اس بالکل جدا چیز مان لی تھی اب یہ خط یعنی ایک عام خبر حدیث کے مساوی کیسے ہو گیا کہ اس پر تلقوہا باقبول کی اصطلاح فٹ کر رہے ہیں؟ ایک عام خبر کو بخاری و مسلم کے برابر کا درجہ اور حیثیت کس طرح حاصل ہے؟ کیا یہ تضاد بیانی نہیں؟ (توبوا الی اللہ ص ۴۳-۴۴)

قارئین! اس اقتباس میں دو باتیں کہی گئی ہیں جن میں سے ایک یعنی حدیث اور عام خبر کے فرق کے بارے میں ہے جس کی وضاحت تو اوپر کی سطور میں کر دی گئی ہے کہ علماء فن نے ہمیشہ ہی ان کو الگ مقام دیا ہے۔ اب رہی تلقوہا باقبول والی بات تو ذرا وا تقوا اللہ دوم ص نمبر ۴۳ کی عبارت پر نظر ڈال لیں جس پر درج بالا تبصرہ کیا گیا ہے۔ وہاں تو صاف طور سے یہ بتایا گیا ہے کہ یہ ایک عام اصطلاح ہے جو رواۃ اور روایات کیلئے استعمال کی جاتی رہی ہے۔

ہماری اس اصولی بات سے یہ نتیجہ اخذ کر لینا کہ کسی خبر کی مقبولیت کے اظہار و اثبات کیلئے علم روایت کی اصطلاح استعمال کرنے سے اس خبر کا درجہ حدیث کے مساوی ہو گیا، تو یہ ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ کے مترادف ہے اور شدید جہالت ہے! وا تقوا اللہ دوم میں تو اتنی بات کہی گئی تھی کہ یہ عام اصطلاح ہے جو رواۃ اور روایات کے لئے استعمال ہوتی رہی ہے لیکن اس کے یہ معنی تو نہیں ہوتے کہ یہ کسی اور خبر کے لئے استعمال ہی نہیں ہو سکتی! جس طرح ابن تیمیہ نے ایک عام خبر کیلئے اس کو استعمال کیا ہے اس طرح مختلف کتب میں اس کو بکثرت استعمال کیا گیا ہے۔ کسی اصولی بات کو سمجھے بغیر اس پر رائے زنی کر کے فیصلہ صادر فرمادینا کہاں کی دانشمندی ہے؟ ان کے تبصرے میں ان کی یہ بات ذرا قابل غور ہے:

”حالانکہ تلقوہا باقبول تو بخاری و مسلم کا معاملہ ہے جو کہ علم حدیث کی

بات ہے۔“ (توبوا الی اللہ ص نمبر ۴۴)

موصوف کی اس عبارت سے یہ بات عیاں ہے کہ انھوں نے علم حدیث اور عام خبر کے امتیازی فرق کو تسلیم تو کر لیا ہے، اب یہ اور بات ہے وہ اپنی کسی ہوئی بات کو خود ہی نہ سمجھ

پائیں یا اس سے عدا ”چشم پوشی فرمائیں۔ اس سلسلے میں موصوف مزید رقم طراز ہیں:

”ایک طرف کہتے ہیں کہ امام بخاری نے صرف روایات نقل کی ہیں اپنی

طرف سے کچھ نہیں لکھا۔۔۔۔۔ دوسری طرف دعویٰ ہے کہ جس کو امام

بخاری منکر الحدیث کہے اس کی روایت بیان کرنا جائز نہیں۔“ (توبوا الی اللہ صفحہ ۴۶)

قارئین! ہم علم حدیث کے اصول پیش کرتے ہیں، ماہرین فنون کے اقوال و اقتباسات کی روشنی میں اور یہ ان کو ہماری بات کہہ کر رد کرنیکی کوشش کرنے لگ جاتے ہیں، ذرا غور فرمائیے، ایک طرف تو بخاری کی کتب تاریخ میں درج دوسروں کے اقوال ہیں تو دوسری طرف امام بخاری کا واضح ثبوت کے ساتھ کسی کو منکر الحدیث کہنا، کیا یہ دونوں چیزیں مساوی حیثیت کی ہیں کہ یا تو دونوں کو مانا جائے یا دونوں کا انکار کیا جائے؟؟۔ کیسے کیسے شگوفے چھوڑتے ہیں یہ لوگ ملاحظہ ہو۔

”اب ان لوگوں کی کس بات کو صحیح تسلیم کیا جائے اور کس کو غلط؟“

(توبوا الی اللہ ص نمبر ۴۶)

اب ان نادانوں کو کون سمجھائے کہ ہماری دونوں باتیں صحیح ہیں اور یہ ائمہ فن کے اصولوں پر مبنی ہیں البتہ دیکھنے کیلئے نگاہ حق ہیں درکار ہے اور قبول حق کیلئے خشیت الہی کا حامل قلب و ذہن مطلوب ہے۔ اور ساتھ ہی علم و فن کا شعور اور اس سے آگاہی بھی!۔ اور اگر انہی کا فقدان ہے تو اندھیروں میں بھٹکنے اور ادھر ادھر کی مارنے کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہوگا

## جارج اور ناقل کا فرق

موصوف فرماتے ہیں:

”اگر امام بخاری کسی کو منکر الحدیث کہے تو اس کی روایت بیان کرنا

جائز نہیں اور جس کے لئے امام بخاری مشرک ہو نیکا قول لائے تو اس کا کیا عالم

ہوگا۔“ (توبوا الی اللہ صفحہ ۴۷-۴۶)

قارئین! ان علامہ صاحب کے اعتراض کہ مشرک ہونے کا قول لائیں۔۔۔۔۔ پر تو جبل اللہ شمارہ ۱۳ میں ص ۴۳ پر خاصی مفصل و مدلل بحث معہ حوالہ جات کر دی گئی ہے اس کے اعادہ کی چنداں ضرورت نہیں، اور یہ اصول بھی اظہر من الشمس ہے کہ امام بخاری ”فن



رجال کے ماہر کی حیثیت سے ٹھوس ثبوت کی بنیاد پر کسی کو منکر الحدیث کہیں تو انکی جرح کو بغیر تردد و شک و شبہ کے تسلیم کیا جائیگا، البتہ اگر وہ اپنی کتب تاریخ میں کسی قسم کا قول لائیں تو اسکی ذمہ داری امام بخاری پر نہ ہوگی بلکہ صاحب قول پر ہی ہوگی۔ اپنے شاگرد کے استفسار پر امام بخاری نے اس بات کی تائید اور وضاحت بھی کر دی ہے۔ ان کے شاگرد محمد بن ابی حاتم الوراق کہتے ہیں:-

”میں نے امام بخاری کو کہتے سنا کہ قیامت کے دن مجھ سے جھگڑنے والا کوئی نہ ہو گا تو میں نے ان سے کہا کہ بعض لوگ آپ پر ملامت کرتے ہیں کہ آپ نے اپنی تاریخ کی کتابوں میں لوگوں کی غیبت بیان کی ہے۔ امام بخاری نے جواب دیا کہ میں نے اپنی کتابوں میں محض روایات نقل کی ہیں اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا۔“ (سیر اعلام النبلاء، مقدمہ فتح الباری۔ بحوالہ جبل اللہ

۱۳- ص ۴۲)

امید ہے کہ موصوف کو اب اس بات کو تسلیم کرنے میں تردد نہ ہو گا کہ کتب رجال میں اقوال کا ذمہ دار صاحب قول ہوتا ہے نہ کہ کتاب کا مؤلف، ہاں اگر مؤلف اصول اور فن کے لحاظ سے کسی قول پر اپنی رائے پیش کرے تو اس کا یقیناً ”وہ خود ہی ذمہ دار ہو گا اور اسی لحاظ سے اسکی حیثیت کا تعین کیا جائیگا۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ اگر کوئی محدث اپنی تاریخ میں کوئی قول پیش کرتا ہے تو اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ وہ خود اس موقف کا حامل ہے کیونکہ کتب رجال میں تو توثیق و تضعیف دونوں قسم کے اقوال پیش کئے جاتے ہیں۔ علمی میدان میں طبع آزمائی سے قبل بنیادی نکات کو سمجھ لینا اشد ضروری ہے، کاش موصوف اس کا احساس پیدا کر لیں۔

## محدثین اور ارجاء کا الزام

یہ چیز باعث حیرت ہے کہ موصوف دیگر مسلک پرستوں کی روش اپنا چکے ہیں اور انہی کی اتباع کرتے ہوئے اب اس کوشش میں ہیں کہ اگر احمد بن حنبل کو مشرکانہ عقائد سے بری نہ کر سکیں تو کم از کم دیگر آئمہ کو ہی ممکنہ حد تک اسمیں ملوث کرالیں، چنانچہ اس کوشش میں

اتنا آگے بڑھ گئے ہیں، فرماتے ہیں:-

”مزید یہ کہ امام بخاری نے امام ابو حنیفہ کو مرجیہ کہا“

”لفظ مرجیہ محدثین کی نگاہ میں بدترین گمراہ لوگوں کے لئے استعمال کیا جاتا

ہے“ (توبوا الی اللہ ص نمبر ۴)

موصوف کا کتابچہ اسی قسم کے تحقیقی نوادرات سے آراستہ ہے، علمی اصول و دلیل سے ان کو کوئی سروکار نہیں، اہل حدیث مسلک پرستوں کے چھوڑے ہوئے شگوفے ہی ان کا سہارا ہیں اور انہی کی گردان کر رہے ہیں بلکہ اس میں ایسے غرق ہیں کہ ان کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے!۔ باطل استدلال میں زور پیدا کرتے ہیں اور لوگوں کو فریب دینے کیلئے کیسی رنگ آمیزی کی ہے اور کس طرح مغالطہ آفرینی سے کام لیا ہے بس یہ انہی کا حصہ ہے۔ فرماتے ہیں کہ ”لفظ مرجیہ محدثین کی نگاہ میں بدترین گمراہ لوگوں کے لئے استعمال ہوتا ہے“ (توبوا الی اللہ ص نمبر ۴)

اب ان کی جہالت و حماقت اور فریب کا پردہ چاک کرنے کے لئے لفظ ”ارجاء“ کی مختصر تحقیق پیش کی جاتی ہے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ اس لفظ کا اطلاق کس پر اور کس طرح کیا جاتا ہے:-

الارجاء يطلقه المعتزلة القائلون بتخليد صاحب الكبيرة في النار على اهل السنة والجماعة، لانهم لا يقطعون بعقاب الفساق الذين ير تكبون الكبائر، ويفوضون امرهم الى الله ان شاء عذبهم، وان شاء غفر لهم. ويطلقه المحدثون على من لا يقول بزيادة الايمان ولا نقصانه، ولا يقول بدخول العمل بحقيقته الايمان و مسماء، وهو مذهب ابى حنيفة والجللة من العلماء وهم يعتدون بالاعمال، ويحرضون عليها، ويفسقون من وضع شيئا منها، وير جئون امر العصاة الذين ير تكبون



الكبائر الى الله ان شاء عذبهم وان شاء غفر لهم۔

ويطلقه الجمهور على الطائفة المذمومة المتهمة  
في دينها التي تقول: لا يمان هو المعرفة وما سوى  
الايمان من الطاعات وما سوى الكفر من المعاصي غير  
ضار ولا نافعه ومن كان من هذا القبيل فهو مرفوض  
الروايته ولا كرامته۔ (تعليلات سیر اعلام النبلا ج ۵ ص ۳۲)  
فان الارحاء الذي يطلقه المحدثون على من لا يقول  
بزيادة الايمان ونقصانه ولا بدخول العمل في حقيقته  
ليس بطعن في الحقيقته على ما لا يخفى على المهرة  
النقاد (تعليلات سیر اعلام النبلا ج ۹ ص ۶۹)

ترجمہ : معتزلہ جو گناہ کبیرہ کے مرتکب کے جنم میں خلود (ہیشہ رہنے)  
کے قائل ہیں، ارعاء کا اطلاق اہل السنہ والجماعہ پر کرتے ہیں کیونکہ وہ۔ (یعنی  
اہل السنہ والجماعہ) گناہ کبیرہ کے مرتکب فاسق لوگوں کا معاملہ منقطع نہیں  
کرتے اور ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کرتے ہیں، چاہے تو انھیں عذاب دے اور  
چاہے معاف فرمادے۔

”اور محدثین ارعاء کا اطلاق ان پر کرتے ہیں جو ایمان میں کمی و زیادتی  
ہونے اور عمل کے حقیقت ایمان اور اس کی سمیات میں داخل ہونے کے  
قائل نہ ہوں اور یہی مذہب ہے ابو حنیفہ اور جلیل القدر علماء کا اور وہ اعمال  
میں آگے بڑھنے والے، اسکی ترغیب دینے والے ہیں اور جو اعمال میں کمی  
کرے اس کو فاسق قرار دیتے ہیں اور وہ کبار کے مرتکب گناہگاروں کے معاملہ  
کو اللہ کے سپرد کرتے ہیں چاہے وہ انھیں عذاب دے اور چاہے معاف فرما  
دے۔“

”اور جمہور ارعاء کا اطلاق اس مذموم گروہ پر کرتے ہیں جو اپنے رین کے  
معاملہ میں متم ہے اور جو یہ کہتا ہے کہ ایمان صرف معرفت کا نام ہے، اور

ایمان کے علاوہ اعمال صالحہ اور کفر کے علاوہ گناہ نہ نقصان دہ ہیں نہ فائدہ مند۔  
اور جو لوگ اس قسم کے ہوں ان کی روایات ناقابل قبول ہیں اور نہ ہی وہ  
قابل تکریم ہیں۔ (تعليلات سیر اعلام النبلا ج ۵ ص ۳۲)

”تو محدثین ارعاء کا اطلاق ان پر کرتے ہیں جو ایمان میں کمی، زیادتی کے  
قائل نہ ہوں اور یہ کہتے ہوں کہ عمل ایمان کی حقیقت میں شامل نہیں اور فی  
الحقیقت یہ بات قابل طعن نہیں، جیسا کہ ماہر ناقدین پر مخفی نہیں اور یہی  
مذہب ہے متعدد جلیل القدر علماء کا۔“ (تعليلات سیر اعلام النبلا ج ۹ ص ۶۹)

درج بالا سطور سے یہ بات واضح ہو گئی کہ محدثین کے نزدیک محض مرجیہ کی اصطلاح بد  
ترین گمراہ لوگوں کے لئے نہیں۔ موصوف خود تو لفظ ارعاء کے مفہوم سے نا آشنا ہیں اور  
باطل موقف کی تائید کے لئے فریب کارانہ انداز میں محدثین کے کاندھے کا سہارا ضروری  
سمجھتے ہیں کیونکہ بغیر اس کے ان کو اپنی دال گلتی نظر نہیں آتی۔ آگے فرماتے ہیں:  
”یہ امام بخاری کا اپنا فتویٰ ہے براہ راست امام ابو حنیفہ پر.... اس  
بارے میں جرات مند مفتیوں کی زبانیں کیوں گنگ ہیں؟“ (توبوا الی  
اللہ ص ۳۷)

مذہب بالا سطور میں واضح کر دیا گیا کہ مرجیہ کس پائے کا فتویٰ ہے، پھر امام بخاری اور  
امام ابو حنیفہ کی حیثیت بھی مسلم ہے تو اس قسم کے اقوال کو اہمیت دینے اور ان پر دوسروں کو  
رائے زنی کی کیا ضرورت ہے؟ شخصیات کی مدافعت تو مسلک پرستوں اور شخصیت پرستوں کا  
درد سر ہے۔ اعلیٰ نصب العین اور مشن کے لئے کام کرنا والے ایمانیات اور عقائد پر علمی  
اصولوں کے تحت گفتگو کرتے ہیں، اللہ کے سچے دین کی حتی الوسع حفاظت اور طواغیت کی  
نشاندہی اور ان سے برات کے اعلان کو دینی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔ رہا اس نوعیت کے اقوال  
کا معاملہ تو یہ قابل التفات نہیں کیونکہ ایسے تنقیدی اقوال سے بڑی سے بڑی شخصیات نہیں  
بچیں، اسپر جیل اللہ نمبر ۱۳ میں کافی روشنی ڈالی گئی ہے ملاحظہ ہو جیل اللہ نمبر ۱۳، ص ۳۳  
قارئین، ان گذراشات کی روشنی میں موصوف کے اٹھائے ہوئے درج بالا شوشہ کی



کوئی اہمیت نہیں رہتی اور یہ دلیل بالکل ہی بے وزن ثابت ہوتی ہے۔ ہاں، موصوف کا اگر یہی ذوق ہے، اور ان کے پاس کچھ اور نہیں، تو وہ یہ شوق بھی پورا کر دیکھیں، انجام کار اسی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ان آئمہ میں سے (بشمول انکے محبوب امام احمد بن حنبل) کوئی بھی اس مشق ستم سے نہ بچ سکا!۔ شاید موصوف کا دوسرے مسلک پرستوں کی طرح یہی مقصد ہو کہ اگر احمد بن حنبل کو نہ بچا سکے تو کسی اور کو بھی نہ چھوڑیں!!۔

### عبدالرحمان ابن منندہ کا معاملہ

اب موصوف کی مغالطہ آرائی اور مکرو فریب کا ایک اور نمونہ ملاحظہ ہو۔ امام بخاری اور امام ابو حنیفہ کا قصہ چھیڑنیکا مقصد موصوف کچھ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ:

”اس بحث کو یہاں لانے کا مقصد یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنے بارے میں وضاحت کی وہ وضاحت تو تنظیم عثمانی کی اس تحقیق سے۔ (کہ امام بخاری جس کو منکر الحدیث کہتے اس سے روایت لینا جائز نہیں) کا عدم ہو گئی۔۔۔۔۔ ابن منندہ نے اپنے بارے میں جو وضاحت کی ہے وہ وضاحت تنظیم عثمانی والوں کی محققانہ نگاہوں سے اوجھل کیوں رہ گئی یا انھوں نے دوسروں کو جل دینے کے لئے ایسا کیا ہے۔“ (توبوا الی اللہ ص نمبر ۴)

غور فرمائیں ان علامہ صاحب نے علم حدیث اور فن جرح و تعدیل سے بے بہرہ ہونے کے باوجود اسپر قلم اٹھا کر اپنے اوپر کیسا ظلم ڈھایا ہے!۔ فرماتے ہیں، ”بخاری جس کو منکر الحدیث کہیں اسکی روایت لینا جائز نہیں“ کیا یہ ہماری بات ہے (کہ جسکو موصوف اور ان کے ہم نوا مانیں یا نہ مانیں؟) کیا اس کو آئمہ جرح و تعدیل نے تسلیم نہیں کیا؟ کیا اس اصول کو جاہلانہ تنقید کا ہدف بنانیکا کوئی جواز ہے؟۔ امام بخاری کی کتب تاریخ میں مذکور اقوال کے بارے میں بیان صفائی سے اسکا کیا تعلق اور وہ کس طرح اس کیوجہ سے کالعدم ہو گیا؟؟۔ کوئی ان سے پوچھے کہ آپ نے یہ فیصلہ کس اصول کے تحت فرمایا ہے ذرا واضح فرما دیں مع حوالہ کتب!۔

موصوف عبدالرحمن بن منندہ کے وکیل صفائی کا کردار ادا کرتے ہوئے اصول و حدود

سے کس قدر تجاوز کر گئے ہیں!۔

ایک طرف تو ابن منندہ کا بیان ہے جس کو موصوف نے بالتفصیل نقل فرما دیا ہے۔ اس میں ابن منندہ کا اپنی صفائی میں بیان بالکل ایسی ہی بات ہے جیسے چور کا کہنا کہ ”میں چور نہیں ہوں“ اس کو امام بخاری کی وضاحت سے نہ تھی کرنا انتہائی درجہ کی حماقت ہے۔ اب ان کے اس بیان صفائی یا موصوف (جو آجکل ان کے شدید مداح ہیں) کی مدح سرائی میں مبالغہ آرائی سے ان پر کی گئی جرح کس طرح کالعدم ہو گئی؟ جرح سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ ماہرین رجال کو ان پر کتنا اعتبار ہے! امام بخاری کا اصولی موقف کہ انھوں نے کتب تاریخ جن میں لوگوں کے اقوال و روایات کو جمع کیا ہے وہی اس کے ذمہ دار ہیں مؤلف ان اقوال کا ذمہ دار نہیں۔ تاریخ رجال میں یہی اصول کار فرما ہے کہ راویوں کے بارے میں لوگوں کے اقوال، حالات، تصحیح و توثیق و تضعیف وغیرہ جمع کئے جاتے ہیں اور اچھائی و برائی دونوں قسم کے اقوال بہ یک وقت جمع کر دیئے جاتے ہیں، یہ اور بات ہے کہ کبھی مولفین اپنی رائے سے کسی ایک کو راجح اور دوسرے کو مرجوح قرار دیتے ہیں۔ فن جرح و تعدیل کا یہی اصول ہے، اس کا اور ابن منندہ کے بیان صفائی کا کیا مقابلہ؟۔ ان دونوں کو ایک لڑی میں منسلک کرنا پر فریب مغالطہ آرائی کی بدترین مثال ہے۔

دراصل عبدالرحمن بن منندہ ان مدافین احمد بن حنبل کا واحد سہارا ہے اور ان کے وجود اور مقصد وجود کا انحصار اور دار و مدار اسی ایک شخصیت پر ہے، چنانچہ اس سہارے کو انھوں نے دانتوں سے پکڑ رکھا ہے اور لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش میں اسکی تعریف کے پل باندھے ہوئے ہیں۔ ہم نے جب اس کی شخصیت کے خدوخال لوگوں کو دکھائے تو یہ تلملا اٹھے اور حسب سابق تضادات سے بھرپور طرز عمل اختیار کیا جس کا ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔ ہم نے وا تقوا اللہ سوئم میں ذہمی کے حوالے سے یہ لکھا تھا کہ

”ابن منندہ بدعت سے متصف، خارجی اور حاطب اللیل ہیں، جنھیں صحیح و

غلط کی تمیز تک نہیں“ (سیر اعلام النبلا بحوالہ وا تقوا اللہ سوئم ص نمبر ۲۰-۲۱)

اس بات کا رد موصوف دلائل سے تو کیا کرتے البتہ ان کو جب دفاعی تحریک کی عمارت



مندم ہوتی نظر آئی تو کھسیانے ہو کر کھمبانو چنے والا انداز اختیار کرتے ہوئے فرمایا۔

”ایسا تو نہیں کہ ذہنی خود حاطب اللیل ہو اور ابن مندہ پر جرح خود

ذہنی کے حاطب اللیل ہونے کی بناء پر ہو“ (توبوا الی اللہ ص نمبر ۴۱)

بغیر کسی ثبوت، اصول و دلیل کے محض انتقامی جذبہ کے تحت اس شخص کو جسے جرح و تعدیل کا ماہر سمجھا جاتا ہے ہدف تنقید بنانا اور ”حاطب اللیل“ قرار دے ڈالنا انتہائی درجہ کی جہالت، ضد و ہٹ دھرمی ہے۔ واضح رہے کہ یہ محض انتقامی رد عمل کا ہی شاخصانہ ہے!۔ اب تصویر کا دوسرا رخ بھی دیکھئے کہ یہی ذہنی جب ابن مندہ کی موافقت و حمایت میں کچھ اقوال و عبارات لاتے ہیں تو یکایک انتہائی قابل اعتماد ہو جاتے ہیں اور ابن مندہ کے حق میں ذہنی کا حوالہ بڑے طمطراق سے پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

”ذہنی ہی کی کتاب تذکرۃ الحفاظ ہی سے مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ

کیجئے“ (توبوا الی اللہ ص نمبر ۵۰)

چنانچہ ذہنی کے حوالے نقل فرماتے ہیں اور انہی حاطب اللیل ذہنی کی بات کو ثبوت بنا کر فیصلہ صادر فرماتے ہیں:

”ثابت ہوا کہ عبدالرحمن بن مندہ بدعت سے متصف نہیں بلکہ اہل

بدعت کے خلافت کی تلوار تھے“ (توبوا الی اللہ ص نمبر ۵۱)

قارئین! انکی تحریروں سے آپ یہ نتیجہ نکالیں گے کہ موصوف اس اصول پر عمل پیرا ہیں کہ اگر کوئی عالم بات ان کی پسند کی کہے تو وہ سچا اور قابل اعتبار ہے اور اگر ان کی مرضی کے خلاف کہے تو ناقابل اعتبار۔ ذہنی نے جب عبدالرحمن بن مندہ پر جرح کی تو وہ حاطب اللیل قرار دیئے گئے اور جب ابن مندہ کی موافقت میں قول لائے تو وہی ذہنی حاطب اللیل نہ رہے بلکہ قابل اعتماد ہو گئے!۔ اگر موصوف کے اندر عصبيت و خود غرضی کی جگہ خلوص و دیانت ہوتی تو یہ دیکھنے کی کوشش کرتے کہ ذہنی نے ابن مندہ کے بارے میں جو رائے دی ہے وہ اس طرح کہ پہلے انکی کتابوں کو پیش نظر رکھ کر دوسروں کے اقوال کے حوالہ سے محاسن و قبائح کر ذکر کیا اور پھر اپنی رائے دی جسکو ہم نے سیر اعلام النبلاء کے حوالہ سے پیش

کیا۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو و اتقوا اللہ سوئم ص نمبر ۲۰)

## امام بخاری کی تدلیس کی نوعیت

در اصل موصوف اور ان کے ہم نواؤں میں علم و آگہی کا فقدان ہے چنانچہ اپنے باطل موقف کو زبردستی ٹھونسنے کیلئے ادھر ادھر نکل جاتے ہیں، اپنے پیر کی روش پر چلتے ہوئے امام ابو حنیفہ اور امام بخاری کو بد عقیدہ ثابت کروانے کیلئے ہاتھ پیر مارنے لگے ہیں۔ صراط مستقیم سے منحرف ہو کر عجیب ذوق و انداز فکر اپنایا ہے ان لوگوں نے، ان اہل بے راہ روی اور ہیرا پھیری کا انداز ملاحظہ ہو فرماتے ہیں:

”بالفرض چلنے مان لیتے ہیں ذہنی نے ابن مندہ کے لئے جو کچھ بیان کیا ہے

اگر وہ درست ہے تو پھر ذہنی نے جو کچھ امام بخاری کے لئے کہا ہے اس پر

تنظیم عثمانی کیا فرمان شائع کر گئی؟“ (توبوا الی اللہ صفحہ ۵۳)

اب یہ ان محقق صاحب کے علم اور عقل و ~~الذہن~~ دیوالیہ ہونیکا ایک اور ثبوت ہے۔ موصوف امام بخاری کی تدلیس کا ذکر جس حوالہ سے کر رہے ہیں اسی میں یہ بھی موجود ہے کہ امام بخاری کے استاد محمد بن یحییٰ الذہلی سے کچھ رنجش یا چپقلش تھی اس لئے بخاری جب ان سے روایت لاتے ہیں تو کبھی فقط ”محمد“ کہتے ہیں (صرف ”محمد“ کہنے سے واضح نہیں ہوتا کہ کون ہیں، محمد بن یحییٰ یا محمد بن اسحق راہویہ) اور کبھی محمد بن خالد یا محمد بن عبداللہ کہہ کر روایت لاتے ہیں، دادا کی طرف منسوب کر کے۔ یہ ہے بخاری کی کل تدلیس جس کو افسانہ بنا دیا گیا ہے۔ بخاری کی تدلیس کا تو جہاں کہیں بھی ذکر ہے وہ انہی محمد بن یحییٰ الذہلی کی نسبت اور حوالہ سے ہے جو محض ذاتی رنجش و چپقلش کی وجہ سے ہے اور اسکا ذکر پیش کردہ ان حوالہ جات میں بھی موجود ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اس وجہ سے ذہنی وغیرہ نے امام بخاری کو کہیں بھی معروف انداز میں مطلق مدلس قرار نہیں دیا، تو پھر اس بنیاد پر مذموم مقصد کے حصول کیلئے امام بخاری کو مدلس ٹھہرانا خام خیالی اور عبدالرحمن بن مندہ کو بچانیکی پر فریب کوشش کے سوا کچھ نہیں۔ ان کی مغالطہ آرائی اور فریب کاری کی انتہا ملاحظہ کیجئے، فرماتے ہیں

”اب اگر تنظیم عثمانی والے کہیں کہ ہم ذہنی کی بات ابن مندہ کے بارے



میں مانتے ہیں۔ مگر ذہنی کی بات امام بخاری کے بارے میں نہیں مانتے تو اس

احتمال ہٹ دھرمی کا علاج ہمارے دسترس سے باہر ہے۔“ (توبوا الی اللہ ص ۵۵)

اس اقتباس کا سرسری مطالعہ اس امر کی نشاندہی کے لئے کافی ہی کہ موصوف کی ”دسترس“ میں کیا کچھ ہے۔ ان کو تاریخی حقائق و شواہد کو سمجھنے اور اقوال و آراء میں امتیاز کرنے کا ذرا بھی شعور نہیں! امام بخاریؒ کا ”محمد“ کہہ کر روایت لانا یہ ذہنی کی بات نہیں، یہ تو امر واقعہ ہے کیونکہ ایسی روایات تو صحیح بخاری میں موجود ہیں اس سے یہ راز بھی فاش ہوا کہ موصوف کا صحیح بخاری کا کس قدر مطالعہ ہے اور ذہنی نے اتنی ہی بات بیان کی ہے جتنی موجود ہے، تو پھر اس کے نہ ماننے کا کیا سوال؟۔ اظہر من الشمس حقیقت کو جھٹلانا اور پھر اصرار کرنا کہ ”یہ مانو تو وہ بھی مانو اور اسکا انکار کرو تو اسکا بھی انکار کرو!“ یہ موصوف ہی کا طرہ امتیاز ہے۔ اب خود ہی فیصلہ کر لیں کہ حماقت اور ہٹ دھرمی کا پیکر کون ہوا؟؟۔

ان علامہ صاحب کی کن کن موشگافیوں کا تذکرہ کیا جائے، ہر ایک دوسری سے بڑھ کر ہے۔ ان کی صداقت و دیانت اور علم و دانش سے آگاہی کیلئے چند ہی کا احاطہ کیا گیا ہے۔ خلق قرآن کے مسئلہ سے متعلق امام بخاریؒ پر کی گئی تنقید کو کس طرح اپنے مقصد کے حصول کیلئے استعمال کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ انھوں نے امام بخاریؒ کو عبدالرحمن ابن منہ سے زیادہ مجروح قرار دیدیا ہے، یہ شاہکار بھی ملاحظہ فرمائیے:

”مندرجہ بالا حوالہ کی رو سے امام بخاری عبدالرحمن بن منہ سے زیادہ

مجروح ہیں“ (توبوا الی اللہ ص نمبر ۵۶)

قارئین! ملاحظہ فرمایا، اکابر پرستی کے جنون میں موصوف کس طرح تباہی و اخلاقی حدود سے تجاوز کر گئے ہیں، ”حوالہ کی رو“ کا منہ کس کربدعت سے متصفہ، خارجی اور حاطب اللیل قرار دیئے جانے والے ابن منہ کو نہ صرف یہ کہ امام بخاریؒ کے برابر لا کھڑا کیا بلکہ علم حدیث کے اس درخشندہ ستارے، امام المحدثین امام بخاریؒ کو ابن منہ سے گرا دیا!! پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھیے!!

موصوف جرح و تعدیل کے علم سے قطعاً نا آشنا ہیں لیکن سمجھانے سے بھی بات نہیں

بجھ پاتے۔ جیسا کہ اوپر بتایا گیا کہ جبل اللہ نمبر ۱۳ میں اس بات کو کتب کے حوالہ کے ساتھ دلائل سے واضح کر دیا گیا تھا کہ بعض ہمعصر آئمہ کی بعض کے متعلق جرح و قدح لائق توجہ نہیں ہوتی.... (جبل اللہ نمبر ۱۳ ص ۴۳) لیکن موصوف برابر ہٹ دھرمی سے اسی روش پر جنے ہوئے ہیں اور موصوف اور انکے ہم نوا بخاریؒ کے اس معاملہ کو بار بار درمیان میں لے آتے ہیں۔

## موصوف کی دیانت داری

جبل اللہ شمارہ نمبر ۱۱۔ ص نمبر ۳ پر ہم نے زبان و ادب کے مخصوص پیرائے میں یہ واضح کیا تھا کہ احمد بن حنبل جس عقیدہ حیات فی القبر اور ”ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدرای ربہ“ (نبی علیہ السلام نے اپنے رب کو دیکھا) کے قائل ہیں، امام بخاریؒ نے صحیح روایات لا کر ان نظریات کا شدت سے رد فرمایا ہے۔ موصوف اور انکے ہم نوا اپنے امام کو دلائل سے نہ بچا سکے تو دلیل کا زور کم کرنے کے لئے رنگ آمیزی اور بات کا بنگیر بنانے کی روش اختیار کی، فرماتے ہیں:

”یہ تو ایک الگ تماشہ ہے کہ امام بخاریؒ اپنے سے صدیوں بعد لکھی

جانے والی کتاب میں عبارت کا رد کیوں کر گئے مگر یہ بات تو ریکارڈ پر آ ضرور گئی

کہ امام بخاریؒ کو احمد بن حنبل کے فاسد عقیدہ کا علم تھا اسی لئے تو انھوں نے

احمد بن حنبل کی بات کو منکر ثابت کیا ہے اب اصول کہاں ہے؟“

(توبوا الی اللہ ص نمبر ۶۰)

قارئین! ملاحظہ فرمائیے کہ کس طرح بات کا رخ موڑنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ عقیدہ اور نظریے کے رد کرنے کی بات کی گئی تھی اور موصوف طبقات حنابلہ کی عبارت کو رد کرنا ذکر کہاں سے لے آئے، خلط مبحث اور مغالطہ آرائی کی کیا شان ہے!۔ ادیبانہ پیرائے میں یہ بات کہی گئی تھی کہ ”احمد بن حنبل جس نظریے کے حامل تھے امام بخاریؒ نے اس نظریے کو پکڑا اور ام المومنین عائشہؓ کا قول لا کر ثابت کیا کہ یہ نظریہ باطل ہے۔“ عبارت کے الفاظ میں الجھنے کی بجائے مفہوم اور مقصد سمجھنا اور اس کو دلائل کی روشنی میں تسلیم کرنا



یا دلائل سے رد کرنا یہ تو ہوا علمی انداز لیکن ہیر پھیر کرنا، ادھر ادھر بات کو گھمانا اور دیگر آئمہ کو ملوث کرنا نیکی ناکام کوشش کر کے فریب دینے کی کوشش کرنا یہ انہی لوگوں کا شیوہ ہے اس مقصد کے حصول کیلئے کس طرح ادھر ادھر بھٹکتے ہیں، اس کا نمونہ ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

”ان محققین نے تعصب کا وہ عینک لگایا ہے جس میں محض احمد بن حنبل

ہی ان کو نظر آتا ہے۔ امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور دیگر شخصیات کا مواد ان کی

خدمت پیش کیا جائے تو ان کی کانوں پر جوں تک نہیں ریگتی۔ زبانیں شل ہو

جاتی ہیں جیسے ان کو سرپ سو گھ گیا ہو آنکھیں پتھرا جاتی ہیں۔“ (توبوا الی اللہ ص ۷۵)

قارئین! ذرا غور فرمائیں ان کے ذہن رسا کی دوڑ کہاں تک ہے! اگر کوئی ان سے الٹ

کر سوال کر بیٹھے کہ ”حضرت“! آپ نے بھی تو تعصب کی عینک چڑھائی ہوئی جس میں سب کا

مواد نظر آتا ہے۔ سوائے احمد بن حنبل کے، جس کے مشرکانہ عقائد کا ثبوت تو کتب کے

حوالہ سے پیش کر دیا گیا ہے، اور آپ ہیں کہ پھر بھی ان کے دفاع کی سر توڑ کوشش میں ناکام و

نامراد ہو کر ادھر ادھر بھٹک رہے ہیں! آپ اگر پوری سنجیدگی، احساس ذمہ داری اور

صداقت، دیانت کے جذبہ کے ساتھ (اللہ کے یہاں خود کو جوابدہ سمجھتے ہوئے) اس بات کے

دعویدار ہیں کہ آپ کے پاس ان آئمہ کے مشرکانہ عقائد کے ثبوت میں ٹھوس مواد موجود

ہے تو نہ صرف یہ کہ اس کو جلد سے جلد پیش کر دیں بلکہ کفر باطاعت کی ذمہ داری کو بھی پورا

کر دکھائیں (کیونکہ بغیر اس کے ایمان کا کوئی اعتبار نہیں) یہی سچا جایگا کہ آپ کے پاس جو

کچھ بھی ہے محض احمد بن حنبل کا دفاعی حربہ ہے اور کچھ نہیں۔ فرقوں سے وابستگی اور دنیا

پرستی نے آپ کے اعصاب ہی شل کر دیئے ہیں! رہا ہمارا معاملہ، تو ہم پہلے بھی بتا چکے ہیں اور

پھر واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ جس قسم کے مواد کی موصوف رٹ لگائے ہوئے ہیں تو ایسے مواد

کو ہم قابل اعتناء نہیں سمجھتے ورنہ احمد بن حنبل کے خلاف ہی اس قسم مواد کے ڈھیر لگا

دیتے! الحمد للہ، ہم ٹھوس دلائل اور مسلم الثبوت حقائق و شواہد کی زبان میں بات کرتے

ہیں جن کو موصوف اور ان کے ہممنوا سر توڑ کوشش کے باوجود رد کرنے میں ناکام و نامراد

رہے ہیں لیکن یاد رہے کہ ادھر ادھر کی پینترے بازیوں سے مسلمہ تاریخی حقائق جھٹلائے

نہیں جاسکتے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حق پر ثابت قدم رکھے آمین!

# سچ کے گواہ

سچ کے گواہ بن کر اٹھنا حق کا اعلان کرنا اور ہر قسم کے نامساعد حالات میں صبر و استقامت

کا دامن نہ چھوڑنا یہ ایمان کے سچے دعویداروں ہی کی خصوصیات ہیں اور انہی کا طرہ امتیاز۔

یہ ان بزدلوں کے بس کی بات کہاں جو طاغوت سے آنکھ ملانے کے بجائے اس سے مرعوب ہو

جائیں، اس کی عقیدت و محبت کا شکار ہو کر کفر کرنے کے بجائے اس کے دفاع کی کوششوں

میں لگ جائیں! ایک اعلیٰ مشن کے تقاضے پورا کرنا مرعوب ذہن کے حاملین کے بس کی بات

ہرگز نہیں۔

عقیدہ ”عود روح“ بلاشبہ قرآن کی واضح نصوص اور احادیث صحیحہ کے یکسر خلاف ہے

اور اس عقیدہ کو تیسری صدی کے مسئلہ خلق قرآن کے ہیر و احمد بن حنبل نے ایمان کا جزو

قرار دے کر اس امت کو قبر پرستی کی بنیاد فراہم کر دی اور پھر ان کے مقلدین و متبعین نے

اس شجر خبیثہ کی خوب آب یاری کی۔ جب قرآن اور صحیح احادیث کی روشنی میں اس باطل

عقیدے کی تردید اور اس پر ان کی گرفت کرتے ہوئے کفر باطاعت کا تقاضہ پورا کیا گیا تو ان

کے عقیدہ مند اکابر پرستی کے جذبے سے سرشار ہو کر اپنے امام کے دفاع کے لیے کمر بستہ ہو

گئے! آپس کے فروعی و گروہی اختلافات کے باوجود اس امر پر متفق ہیں کہ احمد بن حنبل کا یہی

عقیدہ تھا اور یہ حق ہے۔ ”اعادہ روح“ کے دفاع میں پسپائی کے بعد اب کچھ لوگوں نے یہ

موقف اپنایا کہ احمد بن حنبل کا یہ عقیدہ تھا ہی نہیں۔ الغرض، انداز مختلف ہونے کے باوجود

دونوں کا مقصد ایک ہی ہے اور ایک ہی قدر مشترک، یعنی شخصیت کا دفاع۔ چنانچہ اس

والہانہ جذبے سے سرشار مدافعتین کی طرف سے شروع میں ایک یادگاری مجلہ جاری کیا گیا تھا

جس میں احمد بن حنبل کے دفاع کی پر زور کوشش کی گئی تھی۔ اس کا بھرپور انداز میں جواب



”واتقوا اللہ دوئم“ میں دیدیا گیا جس کے بعد ان محققین کو اتنی جرات نہ ہونی چاہئے تھی کہ پھر اپنے قلم کے جوہر دکھائیں، لیکن اب کچھ عرصے پہلے ان مدافعین طواغیت کی جانب سے ایک کتابچہ ”توبوا الی اللہ“ شائع کیا گیا ہے جس میں ان کے ایک نام نہاد ”محقق“ نے ایک مضمون بعنوان ”واتقوا اللہ دوئم“ اپنے آئینے میں شامل کر کے بزعم خویش ”واتقوا اللہ دوئم“ کا جواب دے ڈالا ہے۔ قارئین! اس کو انکی احمقانہ خوش فہمی ہی سمجھیے ورنہ کجا واتقوا اللہ اور کجایہ حماقت و جہالت کا پلندہ! واتقوا اللہ نے تو ان کے بلند بانگ علمی دعووں اور دھوکہ دہی کی قلعنی کھول کر رکھ دی، جبکہ یہ مضمون خود ان کے اپنے آئینے میں ان کی حماقت اور جہالت ہی کی تصویر پیش کرتا ہے۔ ان کا انداز ہی کچھ اس قسم کا ہے کہ پہلے ایک بات کو دلیل بنا کر احمد بن حنبل کے دفاع کی بنیاد رکھتے ہیں، بڑی شان اور طمطراق سے اسے پیش کرتے ہیں، لیکن جب اسکا دندان شکن جواب دیا جاتا ہے تو فوراً پینتر ابدل کر فرماتے ہیں ”اصل مسئلہ یہ نہیں“ اور ”ہمارا ان سے اختلاف اس بات پر نہیں“ وغیرہ۔ اب ان سے کوئی پوچھے کہ اس طرح طواغیت کے دفاع کی روش اختیار کر کے شاید اپنے ہم ذوق لوگوں کو فریب دے لیں، لیکن کیا یوم حساب میں بھی سرخروئی حاصل کر لیں گے! حیہات، حیہات!! موصوف اور انکے ہم نواؤں کا ”معرکتہ الآرا“ دفاعی انداز ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں:

”تو کیا یہ ممکن نہیں کہ احمد بن حنبل سے منسوب خط میں کسی نے گڑبڑ کر

دی ہو؟“ (توبوا الی اللہ ص ۱۳)

بس یہی ہے ان کی ابتدا اور یہی انتہا کہ ”کیا یہ ممکن نہیں“ اور ”کیا یہ نہیں ہو سکتا“ وغیرہ۔ مسئلہ حقائق کو جھٹلانے والوں کے استدلال کی بنیاد شک و گمان پر نہ ہو تو کیا ہو! اپنے ہم مسلک منکرین حدیث کی طرح انکا بھی مضبوط دفاعی حربہ شک و گمان ہی ہے۔ منکرین حدیث جو دراصل منکر قرآن ہی ہیں کتب احادیث کو رد کرنے کے لیے یہی حربہ کام میں لاتے ہیں اور یہ ایسا ہلاکت خیز انداز ہے کہ پھر دنیا کی کوئی بھی کتاب اس پر فریب کسوٹی پر محفوظ رہ ہی نہیں سکتی، پھر اعتماد ہو تو کس پر ہو؟ یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ یہ مدافعین احمد اور منکرین حدیث باہم ایک دوسرے سے ذہنی و فکری یکسانیت و ہم آہنگی میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان

کے کیسے مصداق ہیں ”تشابہت قلوبہم“!!

## مومنین اور موحدین کی گواہی

موصوف اور ان کے ہم نواؤں کو شخصیت کے دفاع کے جنون اور جذبہ عناد نے ایسا سراپہ کر دیا ہے کہ جو بھی حربہ ان کے ہاتھ لگتا ہے اسکو بیدریغ استعمال کر ڈالتے ہیں حتیٰ کہ بریلویانہ طرز استدلال سے بھی گریز نہیں کرتے، اپنے امام کو صحیح العقیدہ ثابت کرنے کے لیے حدیث نبویؐ کو بھی استعمال کرنے کی کیسی بے محل کوشش کی ہے، ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں:

”مشرکین و کفار کی بات تو مان لی گئی مگر مومنین و موحدین کی گواہی کو جھٹلادیا گیا اس سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا انکار کیا گیا۔ صحیح بخاری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

بروایت عمرؓ کہ اگر دو مومن بھی کسی کی خیر کی گواہی دیں تو وہ مومن جنتی

ہے یہاں بخاری مسلم اور جملہ دیگر محدثین احمد بن حنبل کی خیر کی گواہی دے

رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا تقاضہ تھا کہ اسے مان لیا

جائے۔“ (توبوا الی اللہ ۱۵)

ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہر شخص اپنے علم کے مطابق ہی ذمہ دار ہے اور دلوں کے احوال تو صرف اللہ ہی جانتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”نحن نحکم بالظواہر“ (ہم تو ظاہر پر ہی فیصلہ کرتے ہیں)۔ کل تک تو یہ لوگ بڑے گھن گرج سے کہا کرتے تھے کہ ”امام بخاری کے سامنے احمد بن حنبل کا یہ ذاتی خط آجاتا تو نہ جانے احمد بن حنبل کے ساتھ کیا معاملہ کرتے“ لیکن اب جبکہ طواغیت کا دفاع ہی مقصد حیات بن گیا تو اب خم ٹھونک کر مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ بتاؤ امام بخاریؒ و مسلمؒ نے کیوں احمد بن حنبل کے لیے اچھے خیالات کا اظہار کیا اور کیوں نہ ان پر فتویٰ لگایا، گویا یہ ان کے پرائیویٹ سیکریٹری لگے ہوئے تھے کہ انھیں احمد کی ایک بات کی خبر ہوتی، درآں حالیکہ یہ تو محدث تھے اور تلاش حدیث میں کبھی کہیں سرگرداں ہوتے اور کبھی کہیں۔ انھوں نے تو خلق قرآن کے



مسئلہ پر بھی احمد کے عقیدہ سے اختلاف کیا تھا جسکی وجہ سے انھیں کافی پریشانی اٹھانی پڑی تھی۔ اظہار خیر کے ضمن میں ان کے سامنے محمد بن اسحاق ابن یسار کی مثال بھی موجود ہے۔ اس پر کذاب و دجال کی جرح ہونے کے باوجود امام بخاری نے جزا القرات میں اس کے لیے احمد سے بھی کچھ زیادہ ہی خیر کی بات کی ہے ان پر ہر قسم کی جرح کے باوجود ان کے دفاع کی کوشش بھی کی ہے۔ محمد بن اسحق کے بارے میں بخاری کی رائے کو قبولیت نہیں ملی ظاہر ہے کہ یہ رائے ان کی اپنی معلومات کی حد تک ہی تھی ورنہ بعد میں اپنی کتاب ”الجامع الصحیح“ میں جو ان کی شہرت کی خاص وجہ ہے، محمد بن اسحاق سے ایک روایت بھی نہ لائے، جس طرح کہ احمد بن حنبل سے حدیثی کھراپنی صحیح میں کوئی روایت نہیں لائے۔ محض خیر کے الفاظ سے احمد کے لئے سرٹیفکیٹ حاصل کرنے والے کبھی ان امور پر سوچنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کرتے۔ دراصل شخصیت پرستی اور بغض و عناد کی عینک خلاف مقصد مواد کو چھانٹ کر الگ کر دیتی ہے۔ جو سرٹیفکیٹ انھوں نے احمد کے لیے حاصل کیا ہے وہ محمد بن اسحق کے لیے بھی موجود ہے پھر اس کی روشنی میں ہمت کر کے آگے بڑھیں، محمد بن اسحق کی روایت کی بناء پر اپنے بچوں کے گلے میں تعویذ ڈالیں اور ام المومنین عائشہؓ کی طرف یہ عقیدہ منسوب کر دیں کہ وہ معراج جسمانی کی قائل نہ تھیں! لیکن ہمیں خوب معلوم ہے کہ طاغوت کا پرستار ذوالوجھیں کبھی ایک اصول اور موقف پر نہیں جما کرتا بلکہ اپنی غرض اور مطلب براری کے لیے پینترے بدلتا رہتا ہے، اظہار خیر اور مومنین و موحدین کی گواہی تو اپنی جگہ لیکن جب یہ حقیقت کے خلاف ہو تو اسکی کیا حیثیت، پھر بھی اس مسئلہ میں جوش و خروش دکھانے والوں کی عبرت و بصیرت کے لیے تاریخ اسلام ہی سے ایک ٹھوس دلیل پیش کی جاتی ہے، ملاحظہ ہو:

”سہل بن سعد ساعدیؓ سے روایت ہے کہ غزوہ خیبر کے موقع پر ایک

شخص (بڑی بہادری سے لڑ رہا تھا) جہاں کہیں ایک دو کافروں کو پاتا ان پر حملہ کر دیتا۔ لوگوں نے کہا اس شخص نے تو آج وہ کام کیا ہے جو ہم میں سے کوئی نہ کر سکا یہ سن کر نبی علیہ السلام نے فرمایا ”مگر یہ جہنمیوں میں سے ہے“ قوم میں سے ایک شخص نے کہا میں اس کے ساتھ رہوں گا۔ راوی نے کہا پس وہ اس کے

ساتھ نکلا، جہاں وہ شخص ٹھہرتا وہ بھی ٹھہر جاتا، جہاں وہ دوڑتا وہ بھی دوڑتا۔ راوی نے کہا پس وہ شخص شدید زخمی ہو گیا اور جلد مرنے کے لیے تلوار کی نوک اپنے سینے میں اتار دی اور خود کشی کر لی۔ جو اس کا نگران بنا ہوا تھا وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا ”تجھے کیا ہوا؟“ اس نے کہا، اے اللہ کے رسول آپ نے ابھی جس شخص کو جہنمی کہا تھا اور لوگوں پر آپ کی بات شاق گذری میں نے کہا اسکا حال اور اسکی کیفیت لوگوں سے بیان کروں۔ پس میں اس کے پیچھے ہو لیا یہاں تک کہ اس کا یہ حال ہوا کہ جب وہ شدید زخمی ہوا اس نے تلوار زمین پر رکھی اور اسکی نوک سینہ میں اتار لی اور خود کشی کر لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”یہی تو ہے کہ ایک شخص لوگوں کی نگاہ میں جنتیوں کے سے کام کرتا ہے حالانکہ وہ جہنمی ہوتا ہے اور ایک شخص لوگوں کی نگاہ میں جہنمیوں کے سے کام کرتا ہے مگر وہ جنتی ہوتا ہے۔“ اور ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ آپ نے ایک شخص سے کہا کہ اٹھ اور لوگوں میں اعلان کر دے کہ جنت میں مومن کے علاوہ اور کوئی داخل نہ ہو گا اور اللہ فاجر شخص سے بھی دین کی مدد لے لیتا ہے۔ (صحیح بخاری)

درج بالا روایت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دو نہیں بہت سے صحابہ کرامؓ کی گواہی کو خلاف حقیقت ہونے کی بناء پر مسترد فرما دیا۔ صحابہ کرامؓ نے جو کچھ کہا وہ ان کے اپنے علم کی بناء پر تھا چنانچہ ان پر اس میں کوئی الزام نہیں۔

اس روایت سے بہر حال یہ اصول واضح ہو گیا کہ اگر گواہان حقائق و شواہد سے پوری طرح واقف نہ ہوں تو ان کی گواہی کا عدم ہو جاتی ہے اور ایسی گواہی کی بنیاد پر حقائق کو جھٹلانا محض جہالت اور ہٹ دھرمی ہے۔

## امام شافعی کے خواب و خط کا افسانہ

اس مرتبہ موصوف نے اپنی جہالت و حماقت کے اس ”آئینے“ میں ایک اور کارنامہ



انجام دیا ہے جس کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ موصوف اور ان کے ہم نوا علم و اصول کے فقدان کے علی الرغم اپنے محبوب امام کے تحفظ کے مذموم مقصد کے لیے سر توڑ کوشش کرتے ہوئے ہر رطب و یابس کو لیکر بڑی شان اور بڑے طمطراق سے پیش کرتے ہیں کہ ان کے ہم ذوق جھوم اٹھیں۔ چنانچہ اس دفعہ امام شافعی سے منسوب ایک من گھڑت خط کو خوب اچھالا ہے اور اپنے ہم نواؤں کو خوابوں کی دنیا میں لے جا کر داد تحقیق حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ کیا ان کو نہیں معلوم کہ قبر پرستی کے شیدائیوں اور بت پرستوں نے اس قسم کے سیکڑوں واقعات اور خوابوں کے افسانے اپنی مشہور و قد آور شخصیات کے متعلق گھڑ رکھے ہیں لیکن اہل علم ان کو حجت اور دلیل نہیں بناتے کیونکہ ان کے مخالفین ان کے رد میں اس قسم کے خوابوں اور افسانوں کا ڈھیر پیش کر سکتے ہیں۔ اہل علم کے نزدیک 'بہر حال' ان چیزوں کی کوئی اہمیت نہیں اور نہ ہی ایسا کبھی ہوا ہے کہ مجرد خواب کی بناء پر کسی راوی پر جرح و تنقید کر کے اسے مجروح قرار دیا گیا ہو۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ امام شافعی سے ایسے کوئی مشرکانہ بات ثابت نہیں جس کا اعتراف تو بڑے بڑے قبر پرستی کے شیدائیوں کو بھی ہے۔ اب رہے یہ مدافعین، تو ان کا تو یہ وطیرہ ہی ہے کہ آج امام شافعی سے منسوب خواب کا ڈرامہ پیش کیا ہے تو کل کچھ اور گھڑلائیں گے اور دلیل بنا کر پیش کر دیں گے۔ غرضیکہ انھیں کچھ بھی کرنا پڑے، کچھ ہی گھڑنا پڑے لیکن اپنے امام کو کسی بھی طرح بچالے جائیں، اب یہی ان کا مقصد حیات رہ گیا ہے! لیکن ستم تو یہ ہے اس سے کہیں زیادہ شدید مواد احمد بن حنبل سے متعلق موجود ہے جس سے یہ صرف نظر کر گئے ہیں بالفاظ دیگر یا تو احمد بن حنبل سے صرف نظر کرو یا دوسرے ائمہ پر فتوے لگاؤ! کیا سیاسی انداز ہے کچھ نو اور کچھ دو والا تفسر ہے ان آخرت سے بے خوف غفلت شعاروں پر جو دین کو سیاسی رنگ میں رنگنا چاہتے ہیں!

## ابن تیمیہ کا فقہ اکبر کو مشہور کہنا

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کہ ان لوگوں کو علم و اصول کے فقدان کے علی الرغم مرکب فکر کو میدان تحقیق میں دوڑانے کا چسکہ پڑ گیا ہے جس کے کچھ نمونے دیگر مضامین میں پیش کر

دیئے گئے ہیں اور اب ایسا ہی ایک اور نمونہ ملاحظہ ہو۔ ایک عرصہ تک یہ لوگ اس شدید مغالطہ کا شکار رہے کہ فقہ اکبر جسکی نسبت امام ابو حنیفہؒ کی طرف کی جاتی ہے اس میں 'اعادہ روح کے عقیدہ کا ثبوت موجود ہے لہذا بڑے جوش و خروش سے مطالبہ کیا گیا کہ ان پر بھی فتویٰ لگایا جائے، چنانچہ ان کے ایک محقق نے گل افشانی فرمائی :

”ابن تیمیہ کا کسی چیز کو مشہور کہنا اس کی مقبولیت کی دلیل ہے تو پھر مجموعہ

الفتاویٰ میں ابن تیمیہ نے فقہ اکبر کو بھی امام ابو حنیفہؒ کی کتاب مشہور ہونے کا

ذکر کیا ہے“ (یادگاری مجلہ حصہ ششم ۳۱-۳۲)

پھر اس پر یہ محقق اپنے مداحوں سے خوب داد تحسین وصول کرتے رہے۔ لیکن جب واقف اللہ دوئم میں ان کی اس مغالطہ آفرینی کا پردہ چاک کر کے واضح کیا گیا کہ وہ فقہ اکبر ہی دوسری ہے جسکی نسبت ابن تیمیہ نے امام ابو حنیفہؒ کی طرف کی ہے تو ان کے ارمانوں کا محل زمیں بوس ہو گیا لہذا اصل مسئلہ سے راہ فرار اختیار کر کے ہیر پھیر کا انداز اپنا کر گلو خلاصی کی کوشش کی، فرماتے ہیں:

”قارئین اس میں محو حیرت ہونے کی کوئی بات نہیں کہ فاضل محقق نے

محمد ابو زہرہ مصری کی اس بات کو کیوں ہضم کر لیا کہ فقہ اکبر کی (شرح کی)

نسبت امام ماتریدی کی طرف مشتبه ہے“ (توبوا الی اللہ ص ۱۰)

اس سے ان کی بوکھلاہٹ اور سراسیمگی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ان پر وہی مثل صادق آتی ہے کہ ”کھسیانی بلی کھمبا نوچے“۔ ہر شخص یہ دیکھ سکتا ہے کہ شرح ابوالمنصور ماتریدی کی ہے یا نہیں، نہ تو یہ مسئلہ ہے اور نہ ہی اس سے مسئلہ کی نوعیت بدلتی ہے۔ بات تو یہ کہی گئی ہے کہ ابن تیمیہ نے جس فقہ اکبر کی نسبت ابو حنیفہؒ کی طرف کی ہے وہ فقہ اکبر ہی دوسری ہے اور اس کے لیے ”فقہ اکبر مرویہ“ کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے اور اب یہ انکی قسمت کہ اس میں ”اعادہ روح“ کا کہیں، کر نہیں، اس طرح ان کے استدلال کی بنیاد ہی کالعدم ہو گئی۔

دراصل علمی میدان میں دلائل کی سطح پر منہ کی کھانے کے بعد انسان یا تو شریفانہ انداز



میں رجوع کر کے اصلاح و توبہ کی روش اختیار کر لے ورنہ نفس کا شکار ہو کر ابلیس بن جاتا ہے اور جھنجھلاہٹ میں آپے سے باہر ہو کر کچھ بھی کر سکتا ہے اس کا ایک نمونہ زیر نظر کتابچہ ہے۔ اس کے صفحہ ۱۲ پر ایک نظر ڈالیے اور انکی شرافت اعلیٰ ظریفی ذہنی و اخلاقی معیار کی داد دیجئے۔

## موصوف کا دور خاپن

قارئین! مغالطہ آفرینی کا پردہ چاک کرنے کے لیے اتنا عرض کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اس ڈرامہ بازی کا محرک ان کے سابق طرز عمل ہی کا ایک حوالہ ہے۔ اس سے ہمارا مقصد محض ان کے اس دوغلے پن کی نشاندہی تھی کہ پہلے دوسروں کی جس بات کو اعتراض کا نشانہ بنا کر سختی سے رد کر دیا کرتے تھے، اب طاغوتی مشن کے حامل ہو کر اسی رد کی ہوئی بات کو خود اپنے استدلال کا جزو لاینفک بنائے ہوئے ہیں۔ کیا پڑی سے اترنے کے بعد زاویہ نگاہ اتنا ٹیڑھا ہو جاتا ہے کہ حق باطل نظر آنے لگے اور باطل حق، یا چشم باطن پر ایسی عینک چڑھائی جاتی ہے جس سے صرف وہی بات صحیح نظر آتی ہے جو اپنے مطلب کی ہو باقی سارے اصول و کلیات یکسر معدوم ہو جاتے ہیں؟

ان کی یا وہ گوئی نے انکے اپنے آئینہ میں انکی سیرت و کردار کے خدو خال مزید واضح کر دیئے!!۔ اس کتابچے کے ص ۱۲ پر پھر نظر ڈالیں۔ انہوں نے اس دور میں توحید خالص کی دعوت اٹھانے والے مرد مجاہد ڈاکٹر عثمانیؒ پر کس طرح کیچڑا چھالنے کی کوشش کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے جب ”پیری مریدی کا ڈھونگ رچایا“ تو صرف ایک یہی ”حضرت“ تھے جن میں مخالفت کرنے کی ہمت تھی، قطع نظر ان کے اس احمقانہ خود ستائی سے آلودہ بے بنیاد دعوے کے ہم تو خود انہی کی تحریر کا آئینہ پیش کرتے ہیں۔ موصوف اپنی ”شہادت حق“ میں فرماتے ہیں :

”ڈاکٹر عثمانیؒ صرف ہمارے نہیں بلکہ موجودہ دور کے تمام افراد کے بہت

بڑے محسن ہیں۔ انہوں نے کفر و شرک کے پردہ کو چاک کیا ہے ہماری نگاہ میں

اس دور حاضر میں قرآن و سنت کی صحیح ترجمانی اگر کسی نے کی ہے تو وہ ڈاکٹر

مسعود الدین عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اپنے اس محسن پر جس نے صحیح دین سے

ہمیں روشناس کیا فتویٰ داغنا حاشا و کلا ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں۔ اس

بات کا تصور تک کرنا بھی محال ہے۔“

کچھ اور بھی ملاحظہ ہو :

”مانا کہ ڈاکٹر عثمانی بہت بڑے عالم دین تھے۔ بہت بڑے مفسر وقت اور

فاضل تھے۔ بہت بڑے مجاہد تھے۔ اللہ کی راہ میں بے مثال قربانیاں دینے

والے تھے۔ اللہ کے دین کے لیے رات دن ایک کر دیئے تھے جس کو نہ صرف

ہم خیال لوگوں نے تسلیم کیا بلکہ مخالفین بھی اس کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ

سکے“ (شہادت حق۔ امیر بادشاہ کا کھلا خط ۸)

قارئین! ان اقتباسات کو پڑھ کر و اتقوا اللہ کے آئینے بحوالہ توبوالی اللہ صفحہ ۱۲ پر ایک نظر پر ڈال لیں۔ آپ ورطہ حیرت میں غرق ہو گئے ہونگے کہ یہ ”بہت بڑا محسن“ بہت بڑا عالم دین، بہت بڑا مفسر وقت، اور صحیح دین سے روشناس کرنے والا بہت بڑا مجاہد یعنی ”ڈاکٹر عثمانی رحمۃ اللہ علیہ“ یکا یک بہ یک جنبش قلم ”پیری مریدی کا ڈھونگ رچانے والا“ (مجاہد سے مجاور) کیسے بن گیا یا للعجب! کہاں اللہ کی راہ میں جان و مال اور دینیوی مفادات قربان کر دینے والا نفس کو زیر کرنے اور معاشرہ سے ٹکرانے والا، ”مرد میدان“، شہادت فی سبیل اللہ کا سچا آرزو مند اور حقیقی معنوں میں اس دور کا بہت شکن اور کہاں نفس و شکم کا پجاری بت پرست پیر! شاید آپ کچھ الجھن میں پڑ گئے، تو لیجئے ہم آپ کی آسانی کے لیے ڈیڑھ ہزار سال قبل ماضی کے درتچے کھولتے ہیں : بنو قیفقاہ قبیلہ کے یہودی سردار اور عالم دین عبد اللہ بن سلامؒ نعمت ایمانی سے سرفراز ہونے کے بعد نبی علیہ السلام سے درخواست کرتے ہیں کہ ان یہودیوں کو میری ایمان لانے کی خبر ہونے سے پہلے ذرا ان کو بلا کر میرے بارے میں دریافت فرمائیے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا، ایمان کی دعوت دی جسکو انہوں نے قبول نہ کیا پھر ان سے عبد اللہ بن سلامؒ کے بارے میں دریافت فرمایا تو انہوں نے کہا ”وہ ہمارا سردار ہے، ہمارے سردار کا بیٹا ہے، ہم میں سب سے بڑا عالم ہے اور سب سے بڑے عالم کا بیٹا ہے، وہ ہم سب سے بہتر ہے اور سب سے بہتر آدمی کا بیٹا۔“ جب ان کو معلوم ہوا



# فانی لشکر مرون

دین کا ماخذ، منبع علم و ہدایت اور مومن کا سرمایہ افتخار تو قرآن و سنت ہی ہیں یعنی قرآن مجید اور احادیث صحیحہ اور ان کو ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہیں کیا جاسکتا۔ ان میں سے صرف ایک کو منبع رشد و ہدایت سمجھنا گمراہی و ضلالت کے سوا کچھ نہیں۔ خشیت الہی کے حامل راسخ العلم جو یائے ہدایت کے لیے تو بس یہی کافی ہے، اور یہی اس کے شایان شان ہے کہ جو کچھ قرآن کی محکم آیات اور صحیح احادیث سے ملے اسے من و عن قبول کرے، نہ یہ کہ اپنے ناقص و نارسا اور بے مہار عقل و فہم کے ذریعہ وحی الہی کو ہی رد کرنا شروع کر دے! کیسی بد قسمتی ہے کہ آج اسلام کے نام لیوا اس معاملہ میں افراط و تفریط کا بری طرح شکار ہیں۔ کوئی تو صرف اور صرف قرآن ہی کی بات کرتا ہے اور احادیث کو درخور اعتناء ہی نہیں سمجھتا بلکہ ان کا رد اور انکار کرنے کے درپے ہے۔ دوسری طرف احادیث کے ایسے ماننے والے ہیں جو قرآن سے صرف نظر کر کے ہر قسم کی موضوع اور بے بنیاد روایات کو احادیث کے نام سے دین کی بنیاد قرار دیتے ہیں، پھر اپنے باطل نظریات اور گمراہ کن عقائد کی حمایت میں یہ لوگ ایسی ہی روایتوں کو اپنے استدلال کا محور بناتے ہیں اور قرآن کی محکم اور واضح آیات کو تاویل اور معنوی تحریف کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک تیسرا گروہ ایسے منفرد انداز فکر کے نفس پرست افراد کا بھی ہے جو اول الذکر یعنی صرف اور صرف قرآن کی بات کرنے والوں کی عینک لگا کر احادیث کو دیکھتے ہیں۔ یہ لوگ احادیث کو ماننے کے دعوے تو بڑی شد و مد سے کرتے نظر آتے ہیں لیکن فی الحقیقت احادیث انھیں ایک آنکھ نہیں بھاتیں چنانچہ کبھی تو ان کو رد کرنے کے لیے قرآنی آیات کی غلط تاویل کر ڈالتے ہیں اور کہیں اپنے مقصد

کہ وہ تو ایمان لے آئے اور خود عبد اللہ بن سلامؓ جو گھر میں چھپے ہوئے تھے، ان کے سامنے آ کر ان کو ڈرانے لگے اور کہنے لگے کہ ”اللہ سے ڈرو اور ایمان لے آؤ تم جانتے ہو کہ یہ سچ نبی ہیں اور حق کے ساتھ آئے ہیں“ تو یہودیوں نے فوراً ہی رخ بدل لیا اور کہنے لگے ”تم جھوٹے ہو، سب سے بدتر ہو اور سب سے بدتر آدمی کے بیٹے ہو!“ بنی علیہ السلام نے ان ظالموں کو باہر نکلوا دیا۔ (صحیح بخاری)

قارئین! اب تو آپ کے فکری تلاطم اور ذہنی تموج میں کچھ ٹھہراؤ آگیا ہو گا۔ دراصل فطرت انسانی جو آج ہے وہی آج سے ہزار ہا سال قبل تھی۔ انسان جس وقت یوم حساب کی جواب دہی سے بے نیاز ہو کر عقل سلیم کی باگ دوڑ نفس امارہ کے حوالے کر دے تو پھر وہ اپنے ازلی دشمن کے رحم و کرم پر ہوتا ہے، وہ ہر برائی کو مزین کر دیتا ہے، اچھائی و برائی میں امتیاز باقی نہیں رہتا، جھوٹ و فحش کے ذریعہ کچھ اہداف حاصل کر لینے کو ہی اپنی کامیابی سمجھنے لگتا ہے۔

ان فی ذالک لذكری لمن کان لہ قلبٌ او القی السمعُ و هو شہید  
(ق-۲۷)

(اس تاریخ میں درس عبرت ہے ہر اس شخص کے لیے جو دل رکھتا ہو یا جو توجہ سے بات کو سنے اور وہ (حق کا) گواہ ہو!)



کے حصول کے لیے محدثین اور علم حدیث کے اصولوں کا غلط اور بے محل استعمال کرتے ہوئے صحیح اور قوی احادیث کو بھی جھٹلانے سے نہیں چوکتے! اس طرح انھوں نے اپنے آپ کو منکرین حدیث کا آلہ کار بنایا ہوا ہے۔ شومئی قسمت سے اسی انداز فکر کے حامل لوگوں میں مدافعیین احمد بن حنبل شامل ہو گئے جنھوں نے دفاع احمد بن حنبل کے محاذ پر پسپائی کے بعد اب مسئلہ سحر کو اپنی پریشان خیالی کا محور بنایا ہوا ہے۔ بہر کیف، قرآن و حدیث کے دائرہ میں رہتے ہوئے ممکنہ حد تک اس مسئلہ کی وضاحت جمل اللہ شماره ۱۲ اور داتقواللہ سوئم میں کردی گئی تھی جو طالب حق کی تشنگی رفع کرنے کے لیے کافی ہونا چاہیے مگر ان کی طرف سے اوپر بیان کردہ طرز عمل جاری ہے نت نئے ”علمی اور فنی“ شکوے چھوڑے جا رہے ہیں چنانچہ حال ہی میں تجلی خاں نے ”توبوا الی اللہ“ میں بڑے طمطراق سے تجلی فرمائی ہے۔ اس میں سحر پر ایک مضمون ہے جس کو موصوف نے ”اہم مضمون“ قرار دیا ہے (صفحہ ۴)۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ موصوف نے اس کی غرض و غایت ”فنی باتوں کی نشاندہی“ بیان کی ہے (صفحہ ۱۰۵) ان صاحبان کو عقل و خرد سے جو تعلق اور علم و فن سے جتنی کچھ آگئی ہے اس کا داتقواللہ پڑھنے والوں کو بخوبی اندازہ ہوگا۔ لیکن اس دفعہ تو معلوم ہوتا ہے مضمون نگار کے ہاتھوں فن کی شامت ہی آئی ہے! احادیث صحیحہ کے کھلے انکار کا یہ انداز جو اس کتابچے میں اختیار کیا گیا ہے، یہ پہلی مرتبہ ہی سامنے آیا ہے لیکن ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ اس دفعہ انھوں نے اپنی کاوش کا ماخذ واضح کر دیا ہے یعنی حبیب الرحمن کاندھلوی، جس کے منکر حدیث ہونے میں کسی بھی صحیح الفکر صاحب علم کو ذرا بھی شک نہ ہوگا۔ موصوف نے اپنے اس مضمون میں احادیث صحیحہ کو ہدف تنقید بنایا ہے اور بالخصوص بخاری و مسلم کی روایات کو رد کرنے پر پورا زور دیا ہے اور ان کی اس سعی و کاوش کا یہی ماحصل ہے۔ موصوف نے تنقید و تبصرہ کی یہ عمارت حبیب الرحمن کاندھلوی کی کتاب ”مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت“ پر ہی استوار کی ہے اور اس کے اقتباسات کے فوٹو اور تراشوں سے اپنے مضمون کو آراستہ کر کے لوگوں پر رعب ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ موصوف نے خواہ مخواہ ہی اتنی زحمت فرمائی بس اتنا ہی کہہ کر جان چھڑا لیتے کہ مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت (وغیرہ) کو پڑھ لیا جائے!۔ بہر حال، اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جہاں انھوں نے اس کے ذریعہ

اپنے مقصد کے حصول کی کوشش کی ہے وہاں یہ ثابت کر دکھایا کہ یہ خود اور انکا گروہ اس منکر حدیث اور اللہ کے دین کے دشمن کے کیسے حائی اور موسید ہیں! اس ضمن میں نے اعطیہ اسلام کا فرمان بھی پیش نظر رہے۔ آپ نے فرمایا ”المرء مع من احب“ (جو جس سے محبت کرے اسی کے ساتھ ہوگا!)۔ صحیحین پر ان دشمنان حق کی ”نظر عنایت“ کا علمی جائزہ پیش کرنے سے قبل ان کے بغض و کدورت اور جاہلانہ عصبیت کا کچھ نمونہ پیش کرتے چلیں ڈاکٹر عثمانی کے بارے میں فرماتے ہیں:-

”امام بخاری کے دفاع میں بہت آگے نکل گئے اور پھر ان کی روایات کی تاویل کرنے لگے اور بخاری کی ہر روایت کو صحیح ثابت کرنے کے لیے بے سروپا تاویلات کرنے پر اتر آئے۔“ (توبوا الی اللہ ص ۱۰۵)

دیکھئے یہ ”ماہر فن“ دوسروں کو بے سروپائی کا طعنہ دینے والا خود کس طرح بے سروپا باتیں ”فنی باتوں کی نشاندہی“ کے نام پر کر رہا ہے۔ موصوف کی حماقت و سفاهت ملاحظہ ہو کہ صحیح بخاری کی بعض روایات کی قرآن کے نصوص کی روشنی میں تاویل کو ”بے سروپا تاویلات“ قرار دے رہا ہے۔ موصوف کو اگر علم حدیث کے باب میں اصول تاویل اور اسکی اہمیت کا شعور ہوتا تو شاید ایسی حماقت کا مرتکب نہ ہوتا۔ کیسی ستم ظریفی ہے کہ علم و دانش کے فقدان کے علی الرغم اس میدان میں طبع آزمائی کا شوق و جنون تو دامنگیر ہے لیکن مقام حیرت ہے کہ موصوف اپنے شائع کردہ کتابچوں کا مطالعہ بھی نہیں کر پاتے، یا پڑھتے بھی ہیں تو بغیر سمجھے! ہم ”ان صاحبان فن“ کی عبرت نگاہی کے لیے ان کے اپنے کتابچے دعوت الحق شماره دوئم کے مضمون ”القرآن متن والحدیث توضیح“ کی چند عبارتیں پیش کرتے ہیں، ملاحظہ ہو:-

۱۔ ”کاش کہ لوگ سمجھ جائیں کہ اللہ اور اس کے رسول کے کلام میں کوئی مخالفت نہیں اور اللہ کا رسول بذات خود حدیث میں تاویل کر کے قرآن کے مطابق کر دیتے ہیں“ (دعوت الحق دوئم ص ۶)

۲۔ ”ہاں اس حدیث کو قرآن کے مطابق لینا چاہیے“ (ایضاً ص ۶)

۳۔ ”مقصد اس کا یہ ہے کہ قرآن کی بات سے چھوڑ مت کرو اور صحیح حدیث



میں تاویل کر کے اسے قرآن کے مطابق کرو" (ایضاً ص ۸)

۴۔ "یہ بات اسوقت کہ جب دونوں میں موافقت ممکن نہ ہو تو حدیث میں

تاویل کرتے ہیں نہ کہ آیت میں" (ایضاً ص ۸)

۵۔ "اس طرح یہ حدیث قرآن کے ظاہر جو اللہ کے عرش پر ہونے پر دلالت

کرتا ہے کہ خلاف ہے اس لیے جامع ترمذی کی روایت میں تاویل کی

گئی" (ایضاً ص ۱۰)

۶۔ "دونوں میں تضاد نظر آئے تو کلام اللہ کو اولیت دے کر حدیث کا مطلب

اس کے مطابق کی جائے" (ایضاً ص ۱۰)

قارئین غور فرمائیں یہ تمام عبارات ان کے ہی شائع کردہ کتابچے کی ہیں۔ جوش تنقید میں یہ لوگ تمام حدود سے متجاوز ہو جاتے ہیں اور جائز و ناجائز کی حدود و قیود سے بے نیاز ہو کر یہ دیکھنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کرتے کہ اس سے پہلے کیا کہتے، لکھتے اور تعلیم دیتے رہے ہیں!! ایک طرف تو عالمانہ شان کے ساتھ حدیث کی تاویل و تشریح پر زور دیتے ہیں تو دوسرے طرف تنقید و تنقیص کے جوش میں سب و شتم پر آمادہ و کمر بستہ ہو کر انتہائی جاہلانہ و سفیانہ شان بے اعتنائی سے حدیث کی تشریح و توضیح پر "بے سرو پا تاویلات" کی پھبتی کس دیتے ہیں! کیا ان کا دین و ایمان اسی پر موقوف ہے کہ مقصد بر آری کے لیے جب ضرورت ہو تو سچ کو جھوٹ، جھوٹ کو سچ اور جائز کو ناجائز، ناجائز کو جائز قرار دے لیں؟ ہمارے لڑ بچے کا مطالعہ کرنے والوں کو خوب معلوم ہے کہ ڈاکٹر عثمانی نے ہمیشہ قرآن و حدیث سے ہی صحیح موقف پیش کیا ہے۔ حیات فی القبر کے مسئلہ پر صحیح احادیث کی غلط تاویل کرنے والوں کی گرفت کی ہے اور متعلقہ احادیث کا صحیح مفہوم پوری وضاحت سے دلائل کے ساتھ قرآن و احادیث کے نصوص کے مطابق پیش کیا ہے۔

## کاندھلوی کی تقلید

ان کے سر کردہ افراد تو منکر حدیث کاندھلوی صاحب سے ذہنی طور سے مرعوب ہرگز ہی ارتداد کا شکار ہوئے تھے لیکن اس بار تو انھوں نے "صحیحین پر تنقیدات" اور "ضعیف

راویوں سے روایت" کے عنوانات کے تحت کاندھلوی کی تحقیق کو حرف آخر سمجھ کر قبول کیا ہے، آئندہ مزید توقع ہے کہ اسی کتاب سے دیگر عنوانات مثلاً "درایت سے صحیح السند حدیث رد کی جاسکتی ہے" (ص ۲۹) اور "صحیح بخاری زیر تکمیل تھی" کے تحت اپنے ہیرو کاندھلوی صاحب کی تحقیق پر ایمان لا کر کھل کر منکر حدیث ہونے کا اعلان کر ڈالیں گے۔ حالانکہ خود کاندھلوی صاحب نے جتنے لوگوں کے نام لئے ہیں مثلاً "ابن الہمام، ابو الفتح دمشقی (صحیح عبدالفتاح ہے) ظفر احمد عثمانی، ابن ابی الوفا قرشی وغیرہ سب مسلکی حنفی ہیں اور حنفیوں کا صحیح احادیث بالخصوص بخاری و مسلم سے تعصب کوئی ڈھکا چھپا نہیں، کیونکہ احناف کے مرتب کردہ مسلک کا بیشتر حصہ بخاری و مسلم کی روایات کے خلاف ہے۔ اب رہے دار قطنی تو ان کو فن حدیث میں کچھ حیثیت تو دی جاتی ہے لیکن دیگر اکابرین کے مقابلہ میں ان کے صحیحین پر اعتراض کی وقعت ہی کیا ہے! البتہ ہم یہ امر واضح کرنا چاہیں گے کہ منکرین حدیث کے نقش قدم کی پیروی میں جوش دکھانے والے بالآخر منکر قرآن ہو جاتے ہیں اور ان کی شومنی قسمت دیکھئے کہ آج یہ وہی روش اپنا چکے ہیں، العیاذ باللہ! قرآن نے تو ہر باطل پرست ملحد کی دست درازی کا سد باب کر دیا ہے جیسا کہ رب ذوالجلال کے فرمان سے واضح ہے

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلُ مَنْ

حَكِيمٌ حَمِيدٌ ○ (حم السجده-۳۲)

ترجمہ: اس میں باطل نہ آگے سے آسکتا ہے اور نہ پیچھے سے، یہ (کتاب)

حکیم و حمید کی طرف سے نازل کی گئی ہے

یعنی کتاب اللہ میں باطل کا دخول خارج از امکان ہے لہذا شیطان کے ایجنٹ علم حدیث کو تختہ مشق بنانے کو نسبتاً آسان سمجھتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ رب کریم نے احادیث صحیحہ کی حفاظت کا بھی ٹھوس اہتمام فرما دیا ہے۔ اب رہی واقعہ سحر والی روایات تو اس سلسلہ میں یہ امر قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ساحروں کے واقعہ کو سورہ طہ میں تفصیلاً بیان کر کے اس حقیقت کی نشاندہی فرمادی کہ نبی بشر ہی ہوتا ہے اس لحاظ سے اس پر بھی سحر کا اثر باذن اللہ ممکن ہے خواہ اسکی مدت کتنی ہی قلیل کیوں نہ ہو۔ البتہ نبی کو فوق البشر ماننے والے جب اللہ کے قرآن کو ہی نہیں مانتے تو احادیث پر ہاتھ صاف کرنا تو ان کے



بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

## بخاری و مسلم میں جادو کی مدت

قارئین، سحر اور ۲۱ کے نبی علیہ السلام اور عام انسانوں پر محدود اثرات (بإذن اللہ) کے بارے میں جبل اللہ شمارہ ۱۳ اور واقعہ اللہ (سوئم) میں قرآن و حدیث کے مطابق تفصیلی بحث کر دی گئی ہے۔ جس کے اعادہ کی چنداں ضرورت نہیں، یہاں تو صرف اس جھوٹ اور مکر سے پردہ اٹھانا مقصود ہے جس میں موصوف اپنے پیش رو مولوی بشیر سے بھی بازی لے جانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں :

”جادو سے متعلق بخاری و مسلم کی روایات میں صراحت کے ساتھ یہ ذکر

کیا گیا ہے کہ نبیؐ پر جادو کیا گیا سال یا چھ ماہ تک آپ جادو کے زیر اثر رہے“

(توبوا الی اللہ ص ۱۱۵)

لوگوں کو گمراہ کرنے اور احادیث پر ہاتھ صاف کرنے کے لیے مسلمہ اصولوں، جرح و تعدیل، اسماء الرجال اور روایت و درایت کے الفاظ کا بے جا اور بے محل استعمال تو موصوف نے بار بار کیا ہے لیکن ان کی حدیث دانی کا یہ عالم ہے کہ انھیں یہ بھی خبر نہیں کہ بخاری و مسلم میں کیا ہے اور کیا نہیں!۔ اب کوئی انہی کے گروہ کا جادہ مقلد ان سے پوچھ لے کہ علامہ صاحب! آپ نے چند فنی اصطلاحات کا استعمال کر کے علم حدیث سے واقفیت کا غلط تاثر دینے کی کوشش کی ہے، لیکن اس گل افشانی نے تو آپ کی حدیث دانی کا پردہ فاش کر دیا!۔

آپ ذرا یہ تو بتا دیں کہ بخاری و مسلم کی کس روایت میں یہ آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سال یا چھ ماہ تک جادو کے زیر اثر رہے؟۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ صحیحین کی تو کسی بھی روایت میں صراحت تو کیا اختصار کے ساتھ مجمل یا مبہم انداز میں بھی ایسی بات بیان نہیں کی گئی جس سے نبی علیہ السلام پر سحر کے اثر کی مدت کا تعین ہو سکے، آپ نے تو بغیر رائی کے پہاڑ بنا ڈالا!۔ ہر نوع، اس سے بخوبی اندازہ ہو گیا کہ یہ کتنے پانی میں ہیں اور ان کی علیت اور واقفیت حدیث کا معیار کیا ہے!۔ بس اندھوں میں ”کانے راجا“ بنے ہوئے ہیں، ان کو علمی تحقیق سے تو کوئی واسطہ ہی نہیں۔ موصوف نے اپنے اس ”اہم مضمون“ میں صحیحین کی ان

روایات کو کس ”محدثانہ شان“ سے رو فرمانے کی کوشش کی ہے وہ بھی اپنی مثال آپ ہے، ملاحظہ فرمائیے :

”قطع نظر اس کے کہ اس کا راوی حشام بن عروہ آخری عمر میں سٹھیا گئے

تھے یا یہ خبر واحد ہے جس پر اعتقاد کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی یا ان روایتوں میں

سخت اضطراب پایا جاتا ہے“ (توبوا الی اللہ ص ۱۱۵)

تو یہ ہے موصوف کا مبلغ علم اور ان کے مسلمہ اصول جرح و تعدیل و اسماء الرجال اور فنی نکات جس میں یا یہ ہے، یا یہ ہے کی گردان پر ہی ان کے استدلال کی عمارت استوار ہے اور صرف اسی قدر انکی تحقیق ہے۔ موصوف حبیب الرحمن کاندھلوی کی اندھی پیروی کرتے ہوئے حشام بن عروہ جیسے ثقہ و ثبت راوی کو سٹھیا یا (ملاحظہ ہو کاندھلوی کی کتاب عمر عائشہ) ہوا قرار دیتے ہیں۔ اس روایت اور راوی کی پوری تحقیق جبل اللہ شمارہ ۱۳ میں صفحہ ۵۴، ۵۵ پر پیش کی گئی ہے، موصوف اس کا مطالعہ کر لیتے تو شاید ایسی احمقانہ بات نہ کہتے۔ ان کی اطلاع کے لیے دوبارہ عرض ہے کہ بخاری کی ان روایات میں ایسا کوئی راوی ہے ہی نہیں جس نے حشام بن عروہ سے آخری عمر میں سنا ہو البتہ مسلم میں سحر کے واقعے کی جو روایات ہیں ان میں سے ایک روایت میں حشام سے روایت کرنے والے عبد اللہ بن نمیر ہیں جو ان تین راویوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے حشام سے آخر عمر میں روایات سنی ہیں، لیکن یہ بات بھی محقق ہے کہ مسلم کی اس روایت اور بخاری کی روایتوں میں کوئی قابل ذکر اختلاف نہیں جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ آخری عمر میں حشام کے حافظے میں کوئی خاص تبدیلی یا کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ لہذا علم حدیث کے لحاظ سے کاندھلوی کے ان اندھے مقلدین اور منکرین حدیث کے اعتراض کی بے بضاعتی و بے وقعتی بالکل عیاں ہے۔

## نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کے اثر کی حقیقت

گذشتہ سطور میں یہ بات کہی گئی تھی کہ صحیحین کی روایات میں سحر کے اثر کی مدت کا ذکر نہیں کیا گیا اور اب یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ یہ اثر صرف اور صرف آپؐ کی خانگی زندگی تک محدود تھا اور وہ بھی صرف اتنا کہ بعض اوقات آپؐ یہ خیال کرتے تھے کہ ازواج



مطہرات کے ہاں ہو آئے ہیں لیکن گئے نہیں ہوتے تھے۔ (آپؐ کا یہ معمول تھا کہ عصر کے بعد تمام ازواج مطہرات کے ہاں جا کر حال معلوم کر آتے تھے)۔ اس طرح صحیحین کی روایات سے تو محض وقتی و جزوی محدود تاثیر سحر ہی ثابت ہے اور یہ تو کسی بھی روایت سے ثابت نہیں ہوتا کہ کار نبوت پر اس کا کوئی اثر واقع ہوا ہو۔ لیکن موصوف نے جس طرح ڈرامائی انداز سے رنگ آمیزی کر کے روایت کو کچھ سے کچھ بنا دیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے، ملاحظہ ہو :-

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا سال یا چھ ماہ تک آپ جادو کے زیر اثر رہے۔ بہت سے کام جو آپ نے نہیں کئے ہوتے تھے آپ سمجھتے تھے کہ میں نے کر لئے آپ ازواج مطہرات سے نہیں ملے ہوتے مگر سمجھتے تھے کہ مل چکا ہوں۔ ان روایات کی رو سے آپ پر اتنا سخت اثر ہوا کہ آپ کو بیویوں کے پاس جانے سے روک دیا گیا“ (توبہ الی اللہ ص ۱۱۵)

پہلی بات تو یہ کہ کسی بھی صحیح روایت میں سال یا چھ ماہ کا ذکر نہیں، اور جن کمزور روایات میں یہ ذکر ہے، وہ موصوف کے نزدیک لائق احتجاج ہوں تو ہوں لیکن اصول حدیث کے لحاظ سے وہ قطعاً ناقابل اعتماد ہیں۔ دوسری بات جو اس اقتباس میں کہی گئی ہے یعنی ”بہت سے کام جو آپ نے نہیں کئے ہوتے تھے آپ سمجھتے تھے کہ میں نے کر لئے“ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا یہ محض موصوف کی رنگ آمیزی ہے۔ کسی بھی صحیح روایت سے یہ ثابت نہیں کہ بنی علیہ السلام کو ”بہت سے کاموں میں“ یہ صورتحال پیش آئی ہو بلکہ عائشہؓ کی روایت میں تو یہ الفاظ ہیں ”یخیل الیہ انہ یفعل الشیء وما فعلہ“ یعنی انھیں خیال ہوتا کہ انھوں نے کوئی کام کر لیا ہے لیکن کیا نہ ہوتا، پھر ام المومنینؓ ہی کی دوسری روایت نے بات صاف کر دی کہ وہ معاملہ کیا تھا، اس روایت کے الفاظ یہ ہیں ”حتی یری انہ یاتنی النساء ولا یاتیہن“ (یعنی یہاں تک کہ آپؐ کو یہ خیال ہوتا کہ آپ اپنی بیویوں کے پاس ہو آئے ہیں جبکہ آپ ان کے پاس ہو کر آئے نہیں ہوتے تھے) اس پر تفصیلی تبصرہ اوپر کی سطور میں کر دیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے کہ صحیحین کی روایات نے تو اس کو ایک خاص امر

واقعہ تک ہی محدود رکھا ہے لیکن موصوف نے باطل فرقوں کی ہمنوائی میں رنگ آمیزی کر کے ایک خاص بات کو عام بنا کر پیش کر دیا۔ کسی کے ذہن میں یہ سوال بھی اٹھ سکتا ہے کہ آخر ان کو ایسی کیا ضرورت پیش آئی کہ صحیحین کی روایات میں مذکور تفصیل کے برخلاف ایک خاص امر واقعہ کو عام بنا ڈالا! تو معمولی سے غور و فکر سے یہ معمع حل ہو جاتا ہے۔ دراصل ان کی تو یہ اشد ضرورت ہے کہ مسئلہ کو حتی الوسع بھیانک شکل دے کر پیش کریں تاکہ مقصد انکار حدیث آسان ہوتا چلا جائے، چنانچہ اسی منصوبہ پر عمل کرتے ہوئے روایت کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کا انداز اختیار کیا ہے، فرماتے ہیں کہ

”آپ پر اتنا سخت اثر ہوا کہ آپ کو بیویوں کے پاس جانے سے روک دیا گیا“ (صفحہ ۱۱۵) اس عبارت نے واضح کر دیا کہ موصوف اپنے ذہن سے تیار کردہ خام مال کو کسی ڈھٹائی اور بے شرمی سے رنگ آمیزی کے ساتھ پیش کرتے ہیں کہ پڑھنے والے کو یہ تاثر ہو کہ یہ حدیث کے الفاظ ہیں حالانکہ کسی بھی صحیح روایت میں یہ نہیں آیا کہ ”بنی علیہ السلام کو بیویوں کے پاس جانے سے روک دیا!“ بلکہ بنی علیہ السلام تو اپنی ازواج کے پاس برابر جاتے رہے۔ غور فرمائیں، یہ انداز تو روایات گھڑنے والے کذاب و دجال لوگوں کا ہے اور فریب کاری اور مغالطہ آفرینی کی انتہا ہے!۔ ازواج مطہرات کے ہاں جانے کے معاملہ میں بھول جانے کا یہ مفہوم تو نہیں ہوتا کہ ”آپ جانے سے روک دئے گئے“ یہ تو بے پرکی چھوڑنے کے ہی مترادف ہے۔ دراصل اپنی مطلب برآری کے لیے ان کا طریقہ کار بھی یہود سے ملتا جلتا ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیہم ثم یقولون ہذا من عند اللہ....“ یعنی اپنے ہاتھ سے لکھ کر اس کو اللہ کی بات بنا کر پیش کرتے ہیں.... (البقرہ ۷۹)

اسی طرح ڈرامائی انداز میں مغالطہ آفرینی کرتے ہوئے کس حد تک چلے جاتے ہیں، ملاحظہ ہو :-

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اگر جادو ہو گیا تو پھر یہ کیا گیا؟ اس دور کی

احادیث کا کیا بنے گا“ (صفحہ ۱۱۵)

احادیث میں تو یہ وضاحت آگئی کہ آپ کا یہ معاملہ ازواج کے یہاں جانے کی حد تک ہی تھا مگر موصوف نے خاص کو عام اور محدود کو لامحدود بنانے کا کارنامہ انجام دینے کی احمقانہ



کوشش کی ہے۔ احادیث سے جب یہ بات واضح طور سے ثابت ہے کہ اسکے سبب سے بنی صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی اور معاملہ میں کسی بھی نوعیت کی بھول سرے سے واقع ہی نہیں ہوئی تو پھر یہ شوشہ چھوڑنا کہ اس دور کی احادیث کا کیا بنے گا، محض حماقت و جہالت ہی نہیں بلکہ پر فریب ڈرامہ بازی ہے۔

## موصوف کی نبی علیہ السلام کی شان میں گستاخی

مخالفت حق اور انکار حدیث کے والہانہ جوش میں ان کا بے لگام قلم کس طرح ادب و اخلاق کی حدود کو پھلانگ جاتا ہے اور ہڈیاں گوئی پر اتر آتا ہے اس کا نمونہ بھی ملاحظہ کر لیجئے، فرماتے ہیں :

”یہ اندھے مقلدین سمجھتے ہیں کہ بنی صلی اللہ علیہ وسلم سال یا چھ ماہ کے

عرصہ تک مجبوظ الحواس رہے، پھر بھی ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں“ (ص ۱۱۶)

ان کی ہرزہ سرائی قابل غور ہے، کس طرح احادیث میں مذکورہ معمولی بھول کو مجبوظ الحواس کا نام دیا ہے!۔ ان کی افتراء پردازی، کذب بیانی، دشنام طرازی واقعی قابل لعنت ہے! دراصل آتش بغض و عناد اور مخالفانہ عصیت نے ان کو ایسا اندھا کر دیا ہے اور کینہ پروری و دشمنی نے موصوف کو ایسا خبطی بنا دیا ہے کہ اتنا بھی نہ سوچا کہ مجبوظ الحواس کے الفاظ کس کے لیے ادا کر رہے ہیں!۔ ہمارا تو حق یقین ہے کہ ایسی روش وہی اختیار کر سکتا ہے جو خود بالکل ہی مجبوظ الحواس ہو گیا ہو اور اس میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کا قطعی فقدان ہو چکا ہو! اب کوئی ذی شعور ان سے پوچھے کہ کسی معاملہ میں معمولی سی بھول ہو جائے کیا خطبہ الحواس ہونے کی علامت ہے؟ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (اس واقعہ سے پہلے یا بعد میں) صلوٰۃ میں امامت کرتے ہوئے تعداد رکعات نہ بھولے؟ کیا موصوف اس کو خطبہ الحواسی قرار دیں گے؟ حیرت ہے کہ تجلی خاں اور ان کے ہمناؤں کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایسے گستاخانہ الفاظ لکھتے ہوئے شرم نہ آئی!۔ سچ تو یہ ہے کہ شرم و حیا تو ایمان کے ساتھ لازم و ملزوم ہے، جہاں کذب اور افتراء پردازی ہی کو دین و ایمان قرار دے لیا جائے وہاں شرم و حیا کی توقع فضول ہے۔ موصوف نے اپنی طرف سے بنی علیہ

السلام کے لیے مجبوظ الحواس کے الفاظ لکھ کر خود کو لعنت و پھٹکار کا مستحق ٹھہرا لیا ہے، تف ہے ان کے اسفرز عمل پر اور لعنت ہو ایسی دینداری پر جو عصمت انبیاء کے نام پر عصمت انبیاء پر ہاتھ ڈالے۔ غور کیجئے ان لوگوں کی روش پر، انکا ایک مولوی اٹھا، اس نے کیا ظلم کیا کہ فرشتوں ہاروت و ماروت کو شیطان بنا ڈالا، تو دوسرا اٹھا اس نے بنی علیہ السلام کی شان میں گستاخانہ طرز عمل کو کارنامہ سمجھا۔ اللہ کی پناہ ایسے شیطانی فتنہ سے جو ایسے طرز عمل کا محرک ہو!۔

ان کا یہ کتابچہ تو ایسی ستم ظریفیوں سے بھرا ہوا ہے یہاں صرف چند چیزیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں۔ ایسی ہی ایک گل افشانی ملاحظہ ہو :

”تنظیم عثمانی والوں نے اکابر پرستی کو اپنا دین و ایمان بنا کر بخاری و مسلم کو

قرآن کا درجہ دیا کہ..... (صفحہ ۱۱)

چہ خوب! قرآن کی تحریف اور صحیح احادیث کا انکار کرنے والوں اور اللہ کے فرشتوں کو شیطان قرار دینے والوں کا یہ گروہ ابو جہل (ابو جہل نے غلاف کعبہ پکڑ کے کہا ”اے اللہ اگر یہ حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے....“ بخاری تفسیر سورہ انفال آیت ۳۲) کی طرح اپنے دفاع کے جوش میں اتنا آگے بڑھ گیا کہ ہم پر اکابر پرستی کا فتویٰ جاری کرنے لگ گیا! جل اللہ اور واقف اللہ کے قارئین کو خوب اندازہ ہے کہ ہمارا موقف تو صرف اور صرف قرآن و حدیث و اجماع صحابہؓ ہے اور ہماری کوئی دلیل اس سے ہٹ کر نہیں ملے گی۔ اس کے برعکس منکرین حدیث کے یہ متبعین اپنے انہی اکابرین کے اقوال کو ہم پر چسپاں کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، کیا یہ محض لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی ہی کوشش نہیں ہے؟۔ کوئی ان سے پوچھے کہ جو کچھ کہہ رہے ہو اسکا کوئی ثبوت تمہارے پاس ہے، یا یونہی بے پرکی اڑا کر لوگوں پر رشتہ ڈالنے کی سعی لا حاصل کو اپنا کارنامہ سمجھتے ہو؟۔ اب یہ بھی امر واقعہ ہے کہ تمام منکرین حدیث کا متفقہ ہدف بخاری و مسلم ہی ہیں جن کو انکے اعلیٰ معیار کی وجہ سے کتب احادیث میں امتیازی مقام حاصل ہے اور یہ انکی راہ میں شدید رکاوٹ ہیں۔



## ڈاکٹر عثمانی اور ”ما“ نافیہ

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ آمادہ بغاوت نفس میں بھڑکتی ہوئی آتش بغض عناد نے ان کو بالکل ہی حواس باختہ کر دیا ہے اور سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت بالکل مفقود ہو چکی ہے اس لیے صحیح اور مخلصانہ نصیحت پر غور فکر کر کے اپنی اصلاح کر لینا ان کے بس میں نہیں رہا۔ دوسروں کا چبایا ہوا نگل لینے کی ایسی عادت پڑ گئی ہے کہ حماقت پر حماقت کو کارنامہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اپنے گروہ کے ظالم مولوی کی حماقت و جہالت کا اتباع کرتے ہوئے قرآن کی آیت ”و ما انزل علی الملکین ببابل ہاروت و ماروت۔۔۔“ کو توڑ مروڑ کر گمراہ کن تاویل کی کوشش میں ”ما“ موصولہ کو نافیہ بنانے کے لیے نام نہاد تفسیر موشگافیاں کی ہیں۔ ہم نے جبل اللہ ۱۳ اور واقف اللہ سوئم میں بڑی شرح و سطر کے ساتھ پورے دلائل سے ”ما“ کو موصولہ ثابت کیا اور انکی گمراہ کن تاویل کی رکاکت اور بطلان کو پوری طرح واضح کر دیا۔ اب جبکہ موصوف اور ان کے ہم نوا ان دلائل کی تاب نہ لا سکے تو اپنی پرانی اور پسندیدہ روش اختیار کرتے ہوئے خلط ممحٹ شروع کر دیا اور لگے کہنے کہ ”ڈاکٹر عثمانی نے اپنے ایک خط میں ”ما“ کو نافیہ کہا ہے“ (صفحہ ۱۱۹-۱۲۱) موصوف کی چرب زبان اور ڈھیٹ پن کا عالم یہ ہے کہ خلط ممحٹ اور ہیر پھیر میں بھی بڑے دھڑلے سے کام لیتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں ”ابن ابی یعقوب علی صاحب یتادیں گے کہ ڈاکٹر عثمانی صاحب ”ما“ کو نافیہ لکھ کر دفاعی حربہ تو استعمال نہیں کیا اور صاف اور صریح آیت کو ہیر پھیر کے ذریعہ ایسے معنی کا لباس تو نہیں پہنایا جو سیاق و سباق سے بے ربط ہے؟ کیا ان کا یہ انداز علمی اور دوسروں کا غیر علمی ہے؟“ (صفحہ ۱۲۰)

اس آیت کی تشریح اور اس سلسلہ میں مفصل بحث و اتقوا اللہ حصہ سوئم میں ملاحظہ ہو۔ وہاں ہم نے یہ واضح کر دیا تھا کہ مولوی موصوف نے آیت کا جو مطلب بیان کیا ہے۔ آیت کے ربط اور سیاق و سباق سے مطابقت نہیں رکھتا بلکہ اس سے تو آیت کا انکار لازم آتا ہے۔ ڈاکٹر عثمانی سے خط میں اس جگہ بھول ہو گئی ہے کیونکہ انھوں نے ”ما“ کو نافیہ تو لکھ دیا۔ لیکن

آگے چل کر تشریح قرآن کے عین مطابق کی ہے جو بالکل صحیح اور حق ہے، سحر کے اثر کو تسلیم کیا ہے کہ ”یہ تخیل میں انتشار کا نام ہے اس میں ذہنی اور نظری تبدیلیاں پیدا کر کے غیر حقیقت کو حقیقت بنا کر پیش کیا جاتا ہے“۔ ہاروت و ماروت کو فرشتے ہی مانا ہے اور کہا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے ان کو اصحاب سبت کی طرح آزمائش کیلئے بھیجا تھا۔ وہ لوگوں کو اپنی طرف مائل کرتے لیکن ان کو بتا دیتے کہ جادو سیکھنا چاہو تو ہم حاضر ہیں لیکن ہے یہ کفر۔۔۔“ (ملاحظہ ہو خط ڈاکٹر عثمانی۔ تو بوا الی اللہ ص ۱۲۰) ظاہر ہے کہ ”ما“ کو نافیہ کہنے کے باوجود آیت کی تشریح بالکل صحیح کی ہے۔ قرآن کی عبارات کے ساتھ اس کا پورا ربط اور سیاق و سباق سے ہم آہنگی ہے اور یہ بات بھی قابل غور ہے کہ یہ تشریح ”ما“ نافیہ کے مطابق نہیں بلکہ ”ما موصولہ“ کے ہی عین مطابق ہے، کیونکہ اگر جادو ان فرشتوں پر نازل ہی نہ کیا گیا ہوتا تو پھر وہ کیوں اور کس طرح یہ کہتے کہ ”جادو سیکھنا چاہو تو ہم حاضر ہیں مگر ہے یہ کفر“ متعدد بار ڈاکٹر صاحب سے اس کے متعلق سوال کیا گیا، اور انھوں نے ہر جگہ ”ما“ موصولہ کے مطابق ہی تشریح فرمائی اور ہاروت و ماروت کو فرشتے کہا۔ اس پر انکے کیسٹ بھی ہمارے پاس موجود ہیں۔ دراصل یہ خط ہی ڈاکٹر صاحب کے موقف و نظریے کی وضاحت کیلئے کافی ہے۔

لیکن ان لوگوں کی ”دیانت داری اور اخلاص“ کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ ڈاکٹر عثمانی کی تحریر اور تقاریر سے دانستہ صرف نظر کر کے انھوں نے کس طرح عبدالرزاق ملیح آبادی کے موقف و نظریے کو جو مسلمان مشرک میں مذکور ہے ڈاکٹر عثمانی سے منسوب کیا ہے! کسی کے قول کو کسی اور کے کھاتے میں ڈالنے کی بلاشبہ یہ بدترین مثال ہے۔

## تحریف قرآن

اب آئیے ذرا موصوف کے ممدوح مولوی بشیر کے تازہ کارنامہ پر ایک نظر ڈال لیں۔ اس سے قبل اس شخص نے اپنے کتابوں میں آیت کے معنی بیان کرتے ہوئے ہیر پھیر کیا تھا یعنی معنوی تحریف کی تھی جسکی و اتقوا اللہ سوئم میں نشاندہی کر دی گئی تھی۔ لیکن اب تو اس ملحد و ہٹ دھرم مولوی نے آیت قرآنی کے ساتھ وہ ظلم ڈھایا ہے جس پر بڑے بڑے ملاحدہ اور کٹر منکرین حدیث و قرآن انگشت بدنداں ہوئے، کیونکہ قرآن کی نہ صرف معنوی بلکہ



لفظی تحریف میں اس نے ان سب کو پیچھے چھوڑ دیا ہے! یہ عاقبت نااندیش مولوی لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی احمقانہ کوشش میں کس رسوائی سے قعرِ مذلت میں گرا ہے اس کا بین ثبوت ان کا کتابچہ ”تنزیل القرآن فی رد سحر الشیطن“ ہے جس میں سورۃ البقرہ کی آیت ۱۰۲ کی تشریح کرتے ہوئے اس شیطان نے الحاد و انکار کے نشتر سے ایسی پیوند کاری کی ہے کہ کلام اللہ کی آیت کا حلیہ ہی بگاڑ کر رکھ دیا ہے، العیاذ باللہ! دراصل سورۃ البقرہ کی یہ آیت ۱۰۲ ان کے باطل اور گمراہ کن نظریے کی راہ میں صریح رکاوٹ ہے چنانچہ مولوی صاحب نے آیت کے الفاظ اور انکی ترتیب کا آپریشن کر کے ایسی سرجری فرمائی ہے کہ آیت انکے باطل نظریے کے عین مطابق ڈھل جائے۔

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں  
ہوئے کس درجہ فقہان حرم بے توفیق

صاف ظاہر ہے کہ قرآنی آیت کو نئی ترتیب سے پیش کر کے انھوں نے اپنے تئیں قرآن کی اصلاح کا فریضہ سرانجام دیدیا ہے اور اس طرح بزعم خویش رب ذوالجلال والاکرام کی نازل کردہ آیت کو ”قابل اصلاح“ ثابت کر دکھایا ہے، معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ!! قرآن کی اصل آیت اور مولوی بشیر کی تیار کردہ آیت تقابلی جائزے کے لیے پیش کی جاتی ہے، ملاحظہ ہو :

### قرآن کی آیت (سورۃ بقرہ آیت نمبر ۱۰۲)

....واتبعوا ما تنزل الشیاطین علی ملک سلیمان وما کفر سلیمان و لکن الشیاطین کفروا یعلمون الناس السحرو ما انزل علی الملکین ببابل ہاروت و ماروت و ما یعلمان من احد حتی یقولوا انما نحن فتنہ فلا تکفر فیتعلمون منہما ما یفرقون بہ بین المرء و زوجته و ما ہم بضارین بہ من احد الا باذن اللہ الخ (البقرہ : ۱۰۲)

ترجمہ : اور لگے پیروی کرنے اسکی جو شیاطین سلطنت سلیمان کا نام لیکر پڑھا کرتے تھے حالانکہ سلیمان نے تو کبھی کفر نہیں کیا بلکہ کفر کے مرتکب تو

شیاطین ہوئے جو لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے۔ اور (اس کے بھی پیچھے لگے) جو شریابل میں دو فرشتوں ہاروت و ماروت پر نازل کیا گیا تھا۔ وہ دونوں (فرشتے) کسی کو بھی یہ علم نہ سکھاتے تھے جب تک کہ اس سے یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم تو محض آزمائش کے لیے بھیجے گئے ہیں لہذا تو کفر نہ کر، (پھر بھی) وہ (یہودی) ان دونوں (فرشتوں) سے وہ علم سیکھتے تھے جس سے شوہر اور اسکی بیوی میں جدائی ڈالیں۔ اور وہ اسکے ذریعے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے سوائے اللہ کے (اذن سے.... الخ)

### مولوی بشیر کی تحریف کردہ آیت و ترجمہ

عربی عبارت یوں ہوگی اور معنی یہ ہو گا و ما کفر سلیمان و ما انزل علی الملکین۔ و لکن الشیاطین کفروا۔ یعلمون الناس السحرببابل ہاروت و ماروت۔ نہ سلیمان نے کفر کیا اور نہ دو فرشتوں پر سحر (جادو) اتارا گیا بلکہ یہ کافرانہ کام شیاطین یعنی بابل شہر میں ہاروت و ماروت نامی دو جادوگر شخص کرتے تھے وہ لوگوں کو جادو کی تعلیم دیتے تھے۔ (تنزیل القرآن فی رد سحر الشیطن ص ۸)

مولوی بشیر کے معصومہ کتبچے کا فوٹو ملاحظہ ہو

تنزیل القرآن

فی رد

سحر الشیاطین

تفسیر آیت : ۱۰۲ - سورۃ البقرہ







اختیار کر کے مسئلہ کو الجھانے کی کوشش کر رہے ہیں چنانچہ ڈاکٹر صاحب ”کو اپنے موقف کی طرف گھسیٹ لانے کی کیسی احمقانہ کوشش کی ہے“ ملاحظہ ہو :

”ڈاکٹر عثمانی صاحب نے ہاروت و ماروت کو علماء سو کے صف میں کھڑا کر

کے ان کو روس الشیاطین قرار دیا ہے“ (توبوا الی اللہ صفحہ ۱۲۱)

غور کیجئے کہ اس ظالم نے مکرو فریب کا کیا انداز اپنایا ہے، نفس لوامہ (ضمیر) کا گلا ہی گھونٹ ڈالا ہے! کیا واقعی ان کو ڈاکٹر عثمانی کے موقف و نظریے کا علم نہیں، انھوں نے تو ڈاکٹر صاحب کے خط کا عکس بھی اپنے کتابچے میں شائع کیا ہے جس میں ڈاکٹر صاحب نے صاف لکھا ہے کہ ”ہاروت و ماروت کو اللہ نے بنی اسرائیل کی آزمائش کے لئے بھیجا تھا اور وہ ان سے برابر یہ کہتے رہے کہ جادو سیکھنا چاہو تو ہم حاضر ہیں مگر یہ کہتے یہ کفر“۔ اس بات نے تو ساری وضاحت کر دی کہ ڈاکٹر صاحب ہاروت و ماروت کو فرشتے سمجھتے تھے نہ کہ شیطان!۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کہ ڈاکٹر عثمانی کے موقف کی وضاحت کے لئے ان کی یہ تحریر ہی کافی ہے اور اس کے علاوہ ان کی متعدد تقاریر و سوال و جواب کے کیسٹ موجود ہیں جن میں اس امر کی پوری وضاحت موجود ہے۔ ان لوگوں نے بددیانتی اور ڈھٹائی میں تمام فرقہ پرستوں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے اور ڈاکٹر صاحب کی اپنی تحریر اور تقریر کے بجائے عبدالرزاق طبع آبادی کی تحریر کو ان کے کھاتے میں ڈال کر یہ داد تحقیق وصول کر رہے ہیں!۔ کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے۔

اذالم تسخنی فاصنع ما شئت

(یا) بے حیا باش ہرچہ خواہی کن!!

(جب تجھ میں حیا نہ رہے تو جو جی چاہے کر!)

رب ذوالجلال کی یہ حکمت بھی قابل غور ہے کہ گمراہی کا ذوق رکھنے والوں کو مہلت پر مہلت دیتا ہے، موقع پر موقع عنایت فرماتا ہے اور گمراہی کی راہ کشادہ فرماتا ہے چنانچہ اس ذوق کے حامل گمراہی میں آگے بڑھتے رہتے ہیں، اللہ کی دی ہوئی صلاحیت کو بروئے کار لا کر اپنی اصلاح کرنے اور آخرت سنوارنے کے بجائے دوسروں کو بھی بھٹکاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اپنے مشن میں کامیاب ہیں، حتیٰ کہ اپنی رسوائی کو بھی کامیابی قرار دینے لگتے ہیں پھر انجام

کا روائس پلٹنے کی راہ مسدود ہو جاتی ہے۔ کتاب اللہ میں اس امر کی کیسی منظر کشی فرمائی گئی ہے، ملاحظہ ہو :

ولا يحسبن الذين كفروا انما نملی لهم خیر لا نفسهم

انما نملی لهم لیز دادوا آثما ولهم عذاب مہین

ترجمہ : اور یہ کافر لوگ یہ گمان نہ کریں کہ ہم ان کو جو مہلت دیئے جا رہے

ہیں تو یہ ان کے حق میں اچھا ہے (نہیں بلکہ) ہم انھیں مہلت اس لئے دے

رہے ہیں کہ وہ گناہوں میں اضافہ کریں اور انجام کار ان کو رسوا کن عذاب دیا

جائیگا۔

حیف صد حیف کہ یہ مرتدین، قرآن و حدیث کے منکرین اللہ کی پکڑ سے قطعاً بے نیاز

ہیں، جس کا ان کے یہ کتابچے واضح اور بین ثبوت ہیں۔ اب یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ جو راہ

حق سے ایسا الرجک ”واللہ اے کیسے ہدایت سے نوازے!۔

کیف یهدی اللہ قوم ما کفروا بعد ایمانہم...

ترجمہ : اللہ ان لوگوں کو کیسے ہدایت عطا فرمائے جو ایمان لانے بعد کافر ہو جائیں...





اور تم نے اس قرآن کو تمہارے لئے آسان کر دیا ہے، ہے کوئی اس سے نصیحت حاصل کرے تو ابھی



## قرآن حکیم کھول کر ترجمہ کے ساتھ پڑھیے

کیا آپ نے قرآن کا مطالعہ کیا ہے؟  
اگر نہیں تو اس سے زیادہ محرومی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے!  
لوگوں کا حال تو یہ ہے کہ:-  
صبح اٹھتے ہی اخبار پڑھنے کے لئے بے چین رہتے ہیں۔  
رسائل کا شوق سے مطالعہ کرتے ہیں۔ اپنے اپنے مسالک کے جرائد لے کر بیٹھ جاتے ہیں۔  
دنیا بھر کی کتابیں پڑھنے کے لئے وقت نکال لیتے ہیں۔  
لیکن اللہ کی کتاب پڑھنے کے لئے ان کے پاس کوئی وقت نہیں ہے؟  
حالانکہ

- نازل قرآن کا آغا ہی اس کتاب کو پڑھنے کے حکم "اقْرَأْ" سے ہوا ہے۔
- یہ صرف تلاوت کے لئے نہیں بلکہ سمجھ کر پڑھنے اور ہدایات حاصل کرنے کیلئے نازل ہوئی ہے۔
- یہ مردوں کو بخشنا نے کے لئے نہیں بلکہ زندوں پر نجات کی راہ کھولنے کے لئے آئی ہے۔
- یہ انسان کو غور و فکر کی دعوت دیتی ہے تاکہ اس کے خیالات میں نکھار پیدا ہو اور زندگی سنور جائے۔
- یہ مطالبہ کرتی ہے کہ زندگی کا سفر اس کی روشنی میں طے کیا جائے۔
- کیا یہ مقاصد دیواروں پر یہ جو کتاب ہے۔ درس انقلاب ہے "لکھنے سے پورے ہوں گے؟  
یا اس کتاب کو صرف "مکمل ضابطہ حیات" کہنے سے مسئلے حل ہوں گے؟  
یا یہ مقاصد، قرآن کے مطالعے کے بغیر پورے ہو سکتے ہیں؟  
ایسے کتنے لوگ ہیں جنہوں نے زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ ہی قرآن سمجھ کر پڑھا ہو؟  
آئیے اغفلت کے اس پردے کو چاک کریں اور قرآن فہمی کو عام کریں۔

اَفَلَا يَتَذَكَّرُوْنَ الْقُرْآنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (محمد-۲۴)  
تمہیں کیا ہو گیا کہ تم قرآن پر غور و فکر کیوں نہیں کرتے کیا تمہارے دلوں پر تالے پڑ گئے ہیں۔